بسم اللہ الرحمن الرحیم
ادبی سلسلہ
نمبر5
ماہنامہ
القلم
اردو جہانیاں
شمارہ دسمبر 2023ء

ادبی سلسلہ نمبر 5

شمارہ دسمبر 2023ء

انچارج	ثنا اکرم ملھی
چیف ایڈیٹر	تنہاؔ لائلپوری

رابطے کا ذریعہ:

tanhalyallpuri@gmail.com

0305 8545555

فہرست

اداریہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ!

تمام تر حمد و ثنا رب العزت، تبارک و تعظیم، واحد و یکتا، لم یلد ولم یولد، کفواً احد کے واسطے۔ سلامتی و درود پسرِ عبداللہ، پوتا عبدالمطلب، مکی مدنی سردار، سرکارِ دو عالم، والیِ کوثر جنابِ محمد ﷺ کے لیے۔

شمسی سال کی آخری دن ہیں اور موسمِ سرما اپنی خوبصورت میٹھی میٹھی اداسی، دھند لکی شاموں اور بھیگی ہوئی یخ بستہ صبحیں لیے ہمارے دل و جان کو تازگی دیتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنے اوج کی جانب رواں ہے۔ یہ شاعروں کا مہینہ تو ہے ہی، مگر اسے ڈاکٹروں کا مہینے ہر گز نہ بننے دیا جائے۔

مسکراہٹ، گرم مشروبات، خشک میوہ جات، سرما کی سوغاتوں کے ساتھ گرم ملبوسات کا استعمال کریں۔ اپنے ارد گرد ایسے لوگوں کا خیال رکھیں جن کو سردی کی اس شدت میں جسم کو حدت دینے کے گرم لباس میسر ہیں، نہ سردی کو پر لطف بنانے والی خوراک۔

بزرگان اور بچوں کا خاص خیال رکھیں، سردی کو پر لطف بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ خانہ کو بتائیں کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے سردی کو غنیمت کا موسم قرار دیا: الشِّتَاءُ غَنِيمَةُ الْعَابِدِيْنَ

اس میں مومن طویل رات کے آخر میں چستی سے جاگ کر رب سے ملاقات کر سکتا ہے، دن کے قلیل دورانیے میں روزہ رکھ سکتا ہے اور نمازوں کے دوران وقفہ کم ہونے کے باعث مسلسل باوضو رہنے میں بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ تنہائی میسر آتی ہے جہاں انسان قرآن مجید پر تدبر کر سکتا ہے۔

خیال رہے اس پر لطف موسم میں عَلَّمَ بِالْقَلَم کو ہر گز نہیں بھولنا۔ مطالعہ کرتے رہیں اور اپنے قلم سے قرطاس سجاتے رہیں۔

اپنی دعاؤں میں شہداء و غازیانِ فلسطین کو ضرور یاد رکھیں۔ جنگ نسلوں کی خوشیاں چھین لیتی ہے، مگر فتح کی نصرت ہر تکلیف کو خوشی میں بدلنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فلسطینی مجاہدین کو فتح یاب فرمائے اور اسرائیل کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ آمین!

ہمارے پیارے قارئین کے لیے عظیم قلم کاروں نے لکھی ہیں پیاری پیاری باتیں، افکار، حقائق، ادبی و فکری، جستجو سے بھرپور تحاریر۔ امید کرتے ہیں قارئین کو بہترین ذہنی آسودگی ملے گی۔

مطالعہ کے بعد اپنے ادیبوں کی کاوش کو سراہنا ہر گز نہ بھولیے۔ تبصرہ جات کا انتظار رہے گا۔

لکھیے، پڑھیے، اور سلامتی کو پائیے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

والسلام

ثنا اکرم ملہی

حمدِ ربِ ذوالجلال

میر حسن

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم

سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں
کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی انگلی اٹھا
ہوا حرف زن یوں کہ رب العلا

نہیں کوئی تیرا، نہ ہو گا شریک
تری ذات ہے وحدہٗ لا شریک

پرستش کے قابل ہے تُو اے کریم
کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم

نعتِ سرورِ کونین
رَسُولُ اللہِ خاتَمُ النَّبِیِّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ساغر صدیقی

ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا
تصورات کی دنیا پہ اک نکھار آیا

کبھی جو گنبدِ خضرا کی یاد آئی ہے
بڑا سکون ملا ہے، بڑا قرار آیا

یقین کر کہ محمد ﷺ کے آستانے پر
جو بد نصیب گیا ہے وہ کامگار آیا

ہزار شمس و قمر راہِ شوق سے گزرے
خیالِ حسنِ محمد ﷺ جو بار بار آیا

عرب کے چاند نے صحرا بسا دیے ساغرؔ
وہ ساتھ لے کے تجلی کا اک دیار آیا

ہمارے معاملات اور ہم

آپا منزہ جاوید (اسلام آباد)

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے ہماری زندگیوں میں سختی، بےقراری اور بے سکونی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر بندہ دکھوں سے چور نظر آتا ہے، ہر کوئی پریشانی کی چکی میں پس رہا ہے لیکن نجانے کیوں ابھی بھی ہمیں احساس نہیں ہو رہا کہ ہم کچھ غلط کر رہے ہیں یا غلط ہونے دیے رہے ہیں۔ ہمارے معاملات میں کوئی خرابی ہے۔ کچھ تو ہے جو وقت کی چکی، غم، پریشانیاں، دکھ، ہی ہمیں بانٹ رہے ہیں۔

جب دکھ بڑھ جاتے ہیں سکھ کم ھو جاتے ہیں تو ہمیں جان لینا چاہیے ہم کہیں خود بے ایمانی کر رہے ہیں۔ وہ بے ایمانی ہمارے خلوص میں بھی ہو سکتی ہے، ہمارے طور طریقوں میں بھی ہو سکتی ہے، ہمارے ناپ تول، ہمارے قول و فعل، ہمارے عہد و پیمان میں بھی ہو سکتی ہے۔ ہمیں چاہیے اپنے اپنے معاملات کا جائزہ لیں۔

ہم تو اتنے عجیب لوگ ہیں کہ کوئی جب مشورہ بھی مانگے اور ہمیں اگر معلوم ہو اسے مشورہ دوں تو اس کا فائدہ ہو جائے گا تو ہم وہ لفظ ہی پی جاتے ہیں۔ ہم بات گول کر جاتے ہیں۔ ہم تو کسی کو اپنے لفظوں سے بھی فائدہ دینے سے قاصر ہیں۔

اگر کوئی غریب اپنے بچے کو اسکول کی تعلیم نہ دلوا سکے تو وہ چاہتا ہے میرا بچہ کوئی ہنر سیکھ لے تاکہ عزت سے پیٹ پال سکے تو وہ درزی کے پاس اسے شاگرد ڈال دیتے تو سالہا سال وہ شاگرد ہی رہتا ہے۔ اسے کپڑوں کی سلائی یا کٹائی سکھانے میں کئی سال لگا دیے جاتے ہیں۔ ہم تو ہنر سکھانے میں بھی ڈنڈی مارتے ہیں کہ کوئی ہنر سیکھ کر کمانے نہ لگ جائے۔

کسی بھی ہنر کو دیکھ لیں، کسی کے پاس بچے کو ہنر سکھانے کے لیے لے جائیں، سالہا سال لگا دیں گے۔

ہم چاہتے ہی نہیں کسی غریب کا بچہ جلد ہنر سیکھ لے اور اپنے خاندان کا سہارا بنے۔

افسوس ہے ہماری سوچ پہ، ہماری بانٹ پہ، ہمارے خلوص پہ، پھر ہم کہتے ہیں خدا ہماری مدد نہیں کرتا۔

اللہ کے بندو اللہ کے بندوں کے کام آنا سیکھیں۔ کسی کی مدد کرنا، کسی کو راستہ دکھانا، کسی کو مشورہ دینا، کسی کو دلاسہ دینا شروع کریں۔

اسی طرح اگر کسی کو سرکاری دفتر میں کوئی کام پڑ جائے تو چکر پہ چکر لگواتے ہیں۔ اگر کسی مقدر کے مارے کو کسی وکیل سے کام پڑ جائے پھر تو اللہ ہی مالک ہے۔ ہمارے معاملات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ رزق کی طمع، لالچ نے اس قدر ہمارے اخلاق کو داغدار کر دیا ہے کہ پس جس طرح ہم روزی، رزق کے معاملے میں طمع، لالچ کرتے ہیں کیا ہم نیکی یا بھلائی میں طمع، لالچ کرتے ہیں کہ یہاں سے آخرت کے لیے مال مل رہا ہے۔ میں جمع کر لوں اور اس مال کو جمع کرنے کے لیے صرف خدا خوفی چاہیے۔ کوئی خرچے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کوشش تو کیجیے۔

بھلائی کی طرف قدم اٹھائیں، اللہ مدد فرمائے گا۔

معاملات کا تو یہ حال ہے کہ سبزی لینے چلے جاؤ کلو ٹماٹر بھی لیں تو دو تین خراب ملیں گے۔ بعض چیزیں تول کر دیکھ لیں ناپ تول میں کم ملیں گی۔ اگر کوئی تول میں پوری ہو تو اس میں خراب چیزوں کی مقدار زیادہ ہو گی۔ چاہے پیاز ہوں، آلو ہوں یا ٹماٹر، پالک کی گٹھی میں آدھی گٹھی خراب۔ پھر ہم ایک دوسرے کو کہتے ہیں وہ دوسرا بے ایمان ہے۔ اللہ کے لیے اپنے اپنے معاملات کو بہتر کیجیے۔ اس وقت دیکھا جائے تو نوکری سے لے کر مزدوری تک سب اپنی اپنی ڈیوٹی میں بے ایمان کرتے ہیں۔ وقت پورا نہیں دیتے، جھوٹ بولتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی ہمارے رزق میں برکت کم ہو گئی ہے۔ ہم ملاوٹ کرتے ہیں، دودھ والا ہو یا گھی والا، مکھن، شہد ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی جس میں ملاوٹ نہ ہو۔

جس کو جتنا کسی چیز میں اختیار ہے وہ ملاوٹ، جھوٹ، بے ایمانی کرنے پہ لگا ہوا ہے۔ دیکھ لیں پہلے وقت سے اب بیماریاں زیادہ ہو گئی ہیں۔ پہلے سے زیادہ امیر ہونے کے باوجود رزق میں برکت نہیں ہے۔

ہم ایک دوسرے کے غم میں شریک نہیں ہوتے، اسے اپنائیت نہیں دیتے، اس کے دکھ کو سمجھتے نہیں، اسے حوصلے نہیں دیتے بلکہ جو پریشان ہو، جو دکھی ہو اسے دیکھ کر ہم دل دل میں فرحت محسوس کرتے ہیں اور سوچتے ہیں یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے اور ایسے پرسکون رہتے ہیں جیسے سارے دکھ دوسرے کے لیے ہیں، ہمیں سکھ ہی ملنے ہیں۔ نہیں، ایسا نہیں ہوتا، دکھ اور سکھ دونوں اپنا ٹھکانہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک گھر میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ سدا وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ آج کسی سے اچھا بولا گیا لفظ، کسی کو دیا گیا دلاسہ آپ کے برے وقت میں کام آ سکتا ہے۔

اپنے دل میں نرمی لائیے، خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیجیے۔ دوسرے سے بغیر مطلب کے مسکرا کر بات کیجیے، سلام دعا میں پہل کیا کیجیے۔ اگر کبھی وقت ملے تو تنہائی میں بیٹھ کر اپنے معاملات کا جائزہ لیا کریں کہ یہ جھوٹ، یہ ملاوٹ، یہ دوسروں سے خواہ مخواہ کی بدگمانی کیوں ہے۔ اس کا کیا فائدہ ہے، کیا نقصان ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں ہم دوسروں کو برا کہنے میں اس قدر مصروف ہیں کہ ہمیں اپنے اعمال کی خبر ہی نہیں جبکہ حساب تو ہم نے اپنے اپنے اعمال کا دینا ہے۔

ہمیں تو ایک دوسرے کی مدد کے لیے بھیجا گیا ہے کہ ہم نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں تو سوچیے ہم کس الجھاؤ کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیا جو ہم کر رہے ہیں یہ سب درست ہے۔

اپنے دل سے عہد کریں، آج سے پکا ارادہ کر لیں کہ ہمارے اختیار میں جو ہے ہم اسے اچھے سے نبھائیں گے۔ دھوکا، فریب، جھوٹ، ملاوٹ، نفرت، ان میں سے کسی کو بھی اپنی ملکیت میں شامل نہیں ہونے دیں گے۔

کر بھلا سو ہو بھلا
انت بھلے کا بھلا

نوجوان قوم و ملت کا سرمایہ

رابعہ ذوالفقار (قرآن والنٹیئر)

"فلسطینی مسلمان بہن بھائیوں کی حالتِ زار دیکھ کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اک طرف ان کا جذبہ ایمانی دیکھ کر رشک آتا ہے۔ کہی معصوم کلیوں کی لاشیں، کہیں آدھ کھلے پھول مرجھائے چہرے، کہیں باپردہ دوشیزیں اپنے بچے کھچے خانہ کی کفالت میں مشغول، پھر سوچتی یہ بھی اسی نبی ﷺ کی امت ہیں جس پے ہزاروں ستم ڈھائے پھر بھی زبانِ اقدس پر حرفِ شکایت نہ آیا۔ آج ضرورت ہے ایسی ماؤں کی جن کہ کردار سے اسماءؓ کی سی بو آئے، مریم، عائشہؓ کی سی حیا چھلکے، اسماءؓ بنت بکرؓ جیسا جذبہ ہو۔ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ نے انوکھی دستاں رقم کی، کیا آج کی ماں ایسے جذبات کی حامل ہے؟ ان کا مختصر قصہ سناتی چلوں:

حجاج بن یوسف نے مکہ پہنچ کر مسجدِ حرام اور کعبۃ اللہ پر گولہ باری کی کیونکہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے ساتھی وہاں پناہ گزیں تھے۔ ان کا سخت ترین محاصرہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے محاصرہ توڑنے کی غرض سے مقابلہ شروع کیا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ موقع پا کر اپنی والدہ اسماءؓ کے پاس پہنچے اور حالات سے آگاہ کیا۔ محاصرہ ٹوٹ چکا، حالات بہت کھٹن ہیں، کیا آپ جانتے ہیں اس مردِ مجاہد کی ماں نے بیٹے کو کیا نصیحت کی؟ تو سنیں:

"بیٹا! قتل ہو جانے کے ڈر سے اپنے دینی جذبات کو پامال نہ کر دینا۔"

آج ہمیں اپنے ایمان کا جائزہ لینے کی ضرورت کیا ایسے حالات میں ہمارے جذبات ہوں گے؟ بیٹے نے کہا: اماں جان! مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کے ٹکرے ٹکرے کر دیں گئے۔ جذبہ ایمان سے لبریز ماں بولی: "بیٹا! بکری کو جب ذبح کر دیا جاتا ہے تو پھر اسے کیا، جس طرح بھی اس کے گوشت کو کاٹا جائے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بیٹا! جاؤ اللہ کی مدد طلب کرو اور اپنی بصیرت کے مطابق عمل کرو۔

اللہ اکبر کبیرا، جب میں نے یہ الفاظ پڑھے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت صرف ایک کی دعا زباں سے نکلی: اللہ ایسے جذبۂ ایمانی سے نواز دے۔ آمین!

دلہن اور جنات

آمینہ یونس

میں اور سارا ایک ہفتے سے زنیرہ کی شادی میں جانے کے لیے کپڑے سلیکٹ کر رہیں تھیں اور خدا خدا کر کے سلیکٹ بھی ہو گئے۔

آج مہندی تھی ہم دونوں خوب تیار ہو کے مہندی میں چلی گئیں۔ زنیرہ نے ہمارا والہانہ استقبال کیا اور ہم اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ جو مہمان بھی آتے وہ اٹھ اٹھ کے ہاتھ ملانے جاتی اور ہم اسے کہتیں کہ دلہن خود اٹھ کے نہیں جاتی، وہ تو ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے اور روتی بھی ہے۔ اچھا میں تو نہیں روؤں گی، مجھے تو شادی کی خوشی ہے۔ اف لڑکی کچھ تو شرم حیا کرو، یوں ہنسی خوشی میں زنیرہ کو سٹیج پر لایا گیا، زنیرہ کے ساتھ اس کی ایک کزن اور اس کے چچا کی بھی شادی ہو رہی تھی۔

تینوں کو سٹیج پر لا کے تصویر وغیرہ کھینچی، پھر چچا مردان خانے میں چلے گئے اور لڑکیوں نے ہلا گلا شروع کیا۔

اچانک ہی زنیرہ کی کزن کی طبیعت خراب ہو گئی اور اسے اندر لے جایا گیا۔ ہم دونوں زنیرہ کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ 11 بجے تک موسیقی اور رقص کی اچھی خاصی رونق رہی۔ ساتھ میں مہندی بھی لگائی گئی، اور تصویریں بھی کھینچی، 12 بجے ہم دونوں گھر آ گئے۔

اگلی صبح میں اور سارا شادی پر پہننے والے کپڑے شاپر میں ڈالے زنیرہ کے گھر پہنچے۔کیونکہ دلہن نے رات کو رخصت ہونا تھا اس لیے زنیرہ نے ہمیں دن بھر اپنے ساتھ رہنے کے لیے بلایا تھا۔

میں اور سارا وہاں پہنچی تو عجیب ماحول بنا ہوا تھا ہم نے پوچھا کیا ہوا ہے؟ تو زنیرہ کہنے لگی، پتہ ہے رات تم لوگوں کے جانے کے بعد مجھ پر جنات آئے تھے۔ ہیں، سچ میں! سارا اور میں نے حیران ہو کر پوچھا اور ڈر کے مارے چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا۔

سچ میں آیا میری کزن کو تھا۔ پھر مجھ میں بھی آ گیا اور رات کو میں پورے دو گھنٹے روتی رہی ہوں، امی لوگ کہہ رہی ہیں میں نے دو گھنٹے تک اپنا منہ بالکل بند نہیں کیا تھا۔

اف خدایا! صائمہ کیسی ہے اب؟ اس کا مجھ سے بھی برا حال ہے۔ جن نے کہا تھا اگر اس کے ہاتھ سے مہندی اتار دیں تو میں چلا جاؤں گا۔ مہندی اترنے والی نہیں تھی کیونکہ ہم نے اچھی والی مہندی کراچی سے منگوائی تھی۔

میں نے پوچھا پھر، پھر کیا؟ آلو کے ذریعے اتارنے کی کوشش کی، اس سے نہیں ہوا تو ریگ مار سے صاف کیا۔ ابھی صبح تک اس کے ہاتھ اور بازو بری طرح سوج گئے ہیں۔

اس نے پوچھا نہیں کیا ہوا ہے میرے ہاتھوں کو؟ ہاں! پوچھا تو کہہ دیا کہ تم بیمار ہو گئی تھی۔

اچھا، کہتی کیا ہے؟

جنات، وہ کہتے ہیں تم لوگوں نے بہت زیادہ بننا سنورنا کیا تھا اس وجہ سے آئے ہیں۔ اچھا اور یہ بھی کہا کہ میں اور میرے تین بچے بھوکے ہیں۔

ان کے کھانے کے لیے کچھ دو، گھر والوں نے ایک تھیلی آٹے کا صدقہ نکالا تو کہنے لگے، تھوڑے سے آٹے کا کیا کرنا ہے؟ نہ پکا ہوا ہے تو آج صبح روٹی بنا کے محلے میں بانٹ دی ہے۔ اچھا زنیرہ پریشان ہو کر ہمیں رات کا واقع بتا رہی تھی۔

پھر عصر کے بعد وہ پھر بیمار ہو گئی اور رونے لگ گئی۔ تین شادیاں تھیں گھر میں اور دونوں دلہن پر جنات آ گئے تھے۔ سب بہت افسردہ حیران و پریشان تھے۔

پھر جنات نے خود کہا کہ فلاں بزرگ سے دعا کروائیں تو ہم چلے جاتے ہیں۔ پتہ کر کے اس بزرگ کو لایا گیا اور ان کی دعا سے دونوں ٹھیک ہو گئیں۔ بزرگ نے جن سے پوچھا تمہیں کیا چاہیے؟ میرے تین بچے ہیں ان کے لیے دعا کرو، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ یوں ہماری ہفتے بھر کی تیاری دھری کی دھری رہ گئی۔

مطالعۂ سیرت کی عصری معنویت

ابو حذیفہ بارہ بنکی (انڈیا)

سرورِ کائناتﷺ کی حیاتِ طیبہ نیک نمونہ عمل ہے۔ قرآن کریم نے اس کو مسلمانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا ہے۔ یہ لفظ اپنے معنی کی وسعتوں کے اعتبار سے انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبے کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح لفظ "سیرت" بھی اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے، بعض حلقوں میں یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ سیرت یا مطالعۂ سیرت کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضور اکرمﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو تاریخی تسلسل اور جغرافیائی پسِ منظر میں سمجھ لیا جائے۔ آپﷺ کی ولادت کب ہوئی، کس طرح آپ کی پرورش ہوئی، پہلی وحی کب آئی، ابتداء میں کون کون لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے، ہجرت کب ہوئی اور اس کے اسباب کیا تھے، کون سا غزوہ کس سن میں ہوا اور اس کا نتیجہ کیا رہا۔ آپﷺ کے بعض حسی معجزات، آپﷺ کی بعثت اور دعوت کے نتیجے میں دنیا میں کیا سیاسی، جغرافیائی اور معاشی انقلابات آئے وغیرہ وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارے امور بھی "سیرت" کا حصہ ہیں مگر "سیرت" کے معنی اور مفہوم کی حدیں صرف یہیں آکر ختم نہیں ہوجاتیں بلکہ سیرت کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اب مطالعۂ سیرت کی عصری معنویت پر غور کریں، سیرتِ طیبہ قرآن فہمی کا ایک بنیادی اور ناگزیر ماخذ ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات ایسی ہیں جن کے حقیقی معانی تک رسائی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ان آیات سے متعلق سیرتِ طیبہ کے بعض گوشوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے۔ قرآن کریم اور صاحبِ قرآن میں باہم ایسا رشتہ اور تعل ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے صاحب قرآن کے اخلاق ہی کو قرآن فرمایا ہے۔ قرآن فہمی کے سلسلہ میں مطالعۂ سیرت کی اہمیت اس بات سے بھی اجاگر ہوتی ہے کہ قرآن کی سورتوں کی تقسیم صاحب قرآن کی حیاتِ مبارکہ کے دو مختلف ادوار کے احوال سے کی گئی ہے، یعنی جو سورتیں زمانۂ قیامِ مکہ میں نازل ہوئی ہیں ان کو مکی کہا جاتا ہے اور جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں ان کو ہم مدنی کہتے ہیں۔

مطالعۂ سیرت کے نتیجے میں انسان اپنے سامنے انسانیتِ کاملہ کی ایک ایسی اعلیٰ مثال دیکھتا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل نظر آتی ہے۔ آپ انسانی زندگی کے جس پہلو اور جس گوشے کو بھی سامنے رکھ کر سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کریں تو ہر پہلو سے انسانی زندگی کا کمال آپ کو سرورِ کائنات ﷺ کی زندگی میں نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے مشہور اسکالر مائیکل ہارٹ نے جب دنیا کے سو عظیم انسانوں پر کتاب لکھی تو عیسائی ہونے کے باوجود اس نے اعلیٰ انسانی اقدار کے حوالے سے سب سے پہلے سرورِ کائنات ﷺ کا ذکر کیا۔

مقامِ افسوس کہ آج ہم جس طرح مطالعۂ سیرت سے غفلت برت رہے ہیں اور اس کے پیغام کو فراموش کر رہے ہیں وہ شاید اس دور کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ رسولِ رحمت ﷺ کے اخلاق وعادات کیا تھے، رسولِ رحمت ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، اپنے دوستوں کے مابین رسولِ رحمت ﷺ کا کیا معاملہ تھا، کفار اور منافقین سے رسولِ رحمت ﷺ کا کیا رویہ تھا، ریاستِ مدینہ میں رسولِ رحمت ﷺ نے کیسی حکمرانی کی تھی۔

مطالعۂ سیرتِ نبوی ﷺ اور اس کی حقیقی ضرورت و اہمیت کا احساس ہمارے دلوں سے محو ہو گیا ہے۔ ہماری زندگیوں کی نہج کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں اس اہم خلاء کا احساس بھی نہیں ہوتا جو ہماری زندگیوں میں مطالعۂ سیرت کے فقدان یا کمی کی بناء پر پیدا ہو گیا ہے اور یہ وہ محرومی ہے جس کا ذمہ دار خود ہمارے اپنے سوا کوئی نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

دورِ حاضر میں سیرتِ طیبہ کی سخت ترین ضرورت ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ سیرتِ طیبہ کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے لیکن موجودہ وقت میں اس کی اہمیت و معنویت اور ضرورت دوگنا ہو جاتی ہے۔

یقین کریں اگر آج دنیا مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی و روحانی ترقی چاہتی ہے اور وہ پرامن اور خوش حال زندگی کی خواہاں ہے تو اسے آج سے ساڑھے چودہ سال پیچھے مڑ کر دیکھنا ہو گا۔ بقول علامہ اقبالؒ:

ہاں! دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تُو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام! تو

ان سب کے علاوہ ہمیں پوری اہمیت کے ساتھ سیرتِ طیبہ کی روح کو سمجھنا ہو گا، اسے اپنے اخلاق و اعمال میں شامل کرنا ہو گا اور عملی طور پر اسوۂ حسنہ کو فروغ دینا ہو گا کہ جب تک ہماری زندگیاں سیرتِ طیبہ کے مطابق نہیں ہوں گی تب تک مادی ترقی کے تمام تر اسباب جمع ہونے کے باوجود ہم تنزلی کا شکار ہی رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے والا بنائے۔ یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنی اور نبی کریم ﷺ کی محبت پیدا فرمادے۔ آمین! یارب العالمین!

گونگا پاکستان

انیلہ شہباز (چکوال)

"السلام علیکم اماں!" تابندہ نے گھر میں داخل ہوتے ساتھ باآواز بلند ساس ماں کو سلام کیا جو بیری کے درخت کے نیچے رکھی چارپائی پہ اونگھ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام پتر"، سست روی سے جواب دیتے ہوئے ثریا بیگم نے آنکھیں موند لیں۔ تابندہ نے پرس برآمدے میں موجود اکلوتے صوفہ پہ رکھا، منہ ہاتھ دھو کر کچن کی طرف بڑھ آئی۔ کھانا گرم کر کے کھاتے ہوئے اسے چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ چیخنے اور چلانے کی آواز آنے لگی۔ اس کو نوالہ حلق میں پھنستا محسوس ہوا تو وہ پانی پی کر باہر آ گئی۔

آوازیں دیوار کے اس پار سے آ رہی تھی، جہاں نویدہ حسب معمول اپنے بیٹے معاذ کو ڈانٹ رہی تھی۔ دوپٹے دوست کرتے تابندہ نے بالآخر آج معاملے کی تہہ تک پہنچنے کا ارادہ کیا اور گیٹ عبور کرتے باہر نکل آئی۔

دروازے پہ دستک دینے پہ گیٹ نویدہ کی چھوٹی چھ سالہ بیٹی نے کھولا اور ہشاش بشاش لہجے میں "ہیلو آنٹی" کہا۔

تابندہ نے سامنے موجود معصوم سی فرشتے صفت بچی کو دیکھا جس کا مغربی طرز کا لباس اس کا تن ڈھانپنے میں خاصا ناکام نظر آ رہا تھا۔ "امی کہاں ہیں بیٹا؟" ٹھنڈی آہ بھرتے تابندہ نے بچی سے استفسار کیا۔ ہاتھ میں موجود موبائل پہ گیم کھیلتے بچی نے سامنے ہال کی طرف اشارہ کیا اور خود کمرے میں غائب ہو گئی۔

"السلام علیکم خالہ" چٹائی پہ بیٹھے نو سالہ معاذ نے خاصی روندھی ہوئے آواز میں سر اٹھا کر تابندہ کو سلام کیا تو وہ افسوس سے سر ہلا کر رہ گئی۔ "ارے تم کب آئی آو بیٹھو" غصہ سے معاذ کو گھورتے ہوئے نویدہ نے تابندہ کو پیش کش کی تو وہ صوفہ نما کرسی پر بیٹھ گئی۔ "کیوں ڈانٹ رہی تھی معاذ کو؟" تابندہ نویدہ کے پاس بیٹھے ہی شروع ہو چکی تھی۔

نویدہ نے گہرا سانس ہوا میں خارج کیا اور سارا واقعہ پڑوسن کے گوش گزار کرنے لگی۔

گرمی کی تپش آہستہ آہستہ کم ہو رہی۔ سادہ سے کاٹن کے سوٹ کے میں ملبوس احمر صاحب ہشاش بشاش سے لیپ ٹاپ پہ کوئی انگلش فلم دیکھنے میں مصروف تھے جب نویدہ چائے لیے چلی آئی۔ "معاذ کو مار کر ہی سمجھانا پڑے گا اب اور کوئی چارہ نہیں" نویدہ نے احمر کو چائے کا کپ تھامتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ "پیار سے سمجھائیں بیگم، مان جائے گا۔" احمر نے بیوی کو تحمل سے جواب دیتے چائے کا گھونٹ حلق سے نیچے اتارا۔ "میں تو تھک گئی سمجھا سمجھا کر" نویدہ نے تھکے تھکے لہجے میں شوہر کو آگاہ کیا۔ "اچھا پھر جیسے تمہیں مناسب لگتا ویسا کرو"

"ڈانٹ کا بھی ذرا اثر نہیں ہو رہا معاذ کو، چار دن سے مسلسل لگی ہوئی۔" نویدہ نے موقع ملتے ہی ایک نیا کارنامہ شوہر کے گوش گزار کیا۔ "یاد رہے! پرسوں آخری تاریخ ہے داخلے کی۔" احمر جو بچوں کو ڈانٹنے کے حق میں بالکل نہیں تھا، آج شریک حیات کو انہیں مارنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ محض اس لیے کہ وہ جلد از جلد اردو میڈیم اسکول چھوڑ کر انگلش میڈیم اسکول میں داخلہ لے لے، جہان صرف محدود نشستیں باقی تھیں۔

"کیا ہوا تابندہ؟" مس نورین جو کافی دیر سے تابندہ کو سر تھامے بیٹھا دیکھ رہی تھی، پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ مس تابندہ نے ایک نظر نورین کو دیکھا اور واپس سر جھکا گئی۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" مس نورین نے متجسس لہجے میں ایک اور سوال داغا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن بے حد پریشان ہوں میں۔" تابندہ نے الجھے الجھے لہجے میں نورین کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

"کیوں پریشان ہو؟ گھر میں سب خیریت ہے نا۔" جب سارے جہانوں کی فکر نورین کے لہجے میں سمٹ آئی۔ تو تابندہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مناسب الفاظ ذہین میں ترتیب دینے لگی۔

"تم تو جانتی ہو، مجھے اردو ادب سے کتنی محبت ہے اور جس چیز سے محبت ہو، اسے ختم ہوتے دیکھنا کہاں آسان ہوتا۔" مایوس کن لہجے میں کہتے تابندہ نے سامنے موجود کتاب بند کی۔

"کل ایک ماں اپنے بیٹے کو مار مار کر انگلش میڈیم اسکول میں داخلہ کے لیے راضی کر رہی تھی، جس کی چھوٹی بیٹی پہلے ہی انگلش میڈیم اسکول میں جاتی ہے۔"

"تو اس میں ہرج کیا؟" نورین نے کافی حیران ہوتے ہوئے استفسار کیا۔ اگر سب انگریزی سیکھیں گئے تو اردو کون پڑھے گا؟ تمہیں معلوم ہے۔ اردو صرف ایک زبان کا نہیں ایک تہذیب کا نام ہے۔ یہ ہے تو ہم ہیں۔" تابندہ نے مس نورین کو آگاہ کیا اور سامنے موجود پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"مجھے تو لگتا اس کے اور بھی کئی نقصانات ہیں۔۔ لیکن میں آج پہلی بار آپ کو اردو کے حق میں بات کرتے سن رہی ورنہ کسی کو رتی برابر اس کی پرواہ نہیں۔" مس نورین نے بھی سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"یہی تو افسوس ہے! ہم سے ہماری پہچان چھینی جا رہی اور سب خاموش تماشائی بنے دیکھ رہے۔" بے بسی سے کہتے تابندہ نے میز پہ رکھے گلدستے میں سجے خوبصورت پھولوں کو دیکھا۔

"تمہارے ایک کے بولنے سے کیا ہو گا پیاری؟ میرا مشورہ ہے تم بھی خاموش ہی رہو، جیسے باقی سب چپ ہیں یقین مانو اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔" پتے کی بات سمجھاتے ہوئے مس نورین اپنا سامان سمیٹ کر کلاس لینے چلی گئی اور تابندہ ناجانے کتنی دیر تک ماوف ہوتے ذہین کے ساتھ خالی کرسی کو گھورتی رہی۔

شرعی پردہ اور اجتہاد

صاحبزادی بنتِ زینب

بہت عرصہ پہلے دو مذہبی اسکالرز کی شریعت مطہرہ کے اہم مسئلہ پر بحث سننے کا موقع ملا۔ بحث کا لب لباب یہ تھا کہ کیا عورت کے لیے چہرے کا پردہ کیا فرض ہے؟ ایک صاحب کا موقف تھا کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ فرض ہے۔ جبکہ دوسرے صاحب کا کہنا تھا کہ عورت کا چہرہ چھپانا نفل عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

فریقین اپنے اپنے موقف پر خوب ڈٹے دلائل دے جا رہے تھے۔ دونوں شخصیات کے پاس قرآن وسنت کی روشنی میں کثیر حوالہ جات بھی موجود تھے۔

موجودہ دور میں جب کہ حقوق نسواں کی مختلف تنظیمیں عورتوں کے حقوق کی بات کرتیں ہیں۔ وہیں عورتوں کے حجاب کو بھی دبے لفظوں میں نشانہ بنایا جاتا ھے۔ بلکہ یہ سوال اکثر علماء کرام سے پوچھا جاتا ہے اور پھر اس کی بار بار مختلف ذرائع سے تشہیر کی جاتی ہے۔ پچھلے ایک ماہ میں مجھے تین جید علماء کرام کا موقف اس سلسلے میں سننے کو ملا۔ تینوں علماء نے عورت کے چہرہ چھپانے کے فرض حکم کو بڑے واضح علمی استدلال دلائل سے ثابت کیا۔ بلکہ دلائل دیے کہ چونکہ خواتین چہرے کا بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلتیں ہیں اور مرد حضرات کی طرف سے ان کے اس فعل سے فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے

اس لئے علماء نے اس مسئلہ پر اجتہاد کیا اور عورت پر چہرے کا پردہ فرض قرار دیا گیا۔ بہر کیف میرا اس اختلاف سے کوئی تعلق نہیں نہ ہی کوئی رائے ہے۔ تمہید باندھنے کا مقصد علماء کرام کی اس بڑھتی ہوئی برائی کی طرف توجہ دلانا ہے اور وہ ہے۔ بلا ضرورت عقدِ ثانی، مرد ایک وقت میں چار عورتیں اپنے عقد میں رکھ سکتا۔ شریعتِ مطہرہ کا یہ اجازت نامہ ہر مرد اپنی جیب میں لیے پھرتا ہے اور بلا ضرورت اس پر عمل کر کے اپنے ہنستے بستے گھر کو تباہی کی جانب دھکیل دیتا ہے۔ کیا یہ تباہی فتنہ نہیں۔ کیا علماء اس فتنے سے بچنے کے لیے کوئی اجتہاد کریں گیں؟ جب مرد بلا ضرورت دوسری عورت کی طرف مائل ہوتا ہے تو عورت بھی بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور اگر عورت سہہ بھی لے تو دوسرے مرد اسے بے بس سمجھ کر اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے پاپڑ بیلنے لگتے ہیں۔ اولاد کے سر سے باپ کا سایہ چھن جاتا ہے۔ طلاقیں واقع ہوتیں ہیں۔ وہی گھر جو مرد و عورت کی باہمی محبت سے جنت کا نمونہ ہوتا ہے، دوسری عورت کی وجہ سے جہنم بن جاتا ہے۔ کیا اس شرعی حکم پر کوئی اجتہاد کرے گا اگر جواب نہیں میں ہے تو ذرا سوچیے!

ظلمت کے بچے

ناز پروین

کاون نام کا ہاتھی اسلام آباد کے چڑیا گھر میں قید تھا۔ بچوں اور بڑوں کا دل کرتب دکھا کر بہلاتا تھا اسے زنجیروں سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ زخمی اور بیمار تھا۔ کہیں سے مغربی میڈیا کو اس کی بھنک پڑ گئی۔ پورا ایک سال اس کی مدد اور آزادی کے لیے ایک بھرپور تشہیری مہم چلائی گئی۔ بین الاقوامی سطح پر فنڈز اکٹھے کیے گئے۔ نومبر 2020ء میں آسکر ایوارڈ یافتہ نامور امریکی گلوکارہ شیر(cher) کاون کی مدد کے لیے خاص طور پر اسلام آباد تشریف لائیں۔ ایک خصوصی کارگو جہاز کے ذریعے کاون کو کمبوڈیا میں جنگلی حیات کے محفوظ سبزہ زار میں منتقل کر دیا گیا تاکہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام سکون سے گزارے۔ مغربی اقوام اتنا نرم دل رکھتی ہیں کہ جانوروں کے حقوق کے لیے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ یہ میڈیا کا زمانہ ہے۔ہالی وڈ کی ہر فلم کے شروع میں ایک نوٹیفیکیشن چلتا ہے کہ اس فلم کی شوٹنگ کے دوران کسی جانور کو نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

جہاں تک انسانی حقوق کی بات ہے تو امریکہ بہادر اور یورپ باقی دنیا پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ایرانی اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار پر عمل پیرا ہو کر خواتین کے لیے حجاب پہننا لازمی ٹھہراتے ہیں تو اسے انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی قرار دیا جاتا ہے۔

اس کی پاداش میں ایران کئی سالوں سے مغرب کی عائد کردہ اقتصادی پابندیاں جھیل رہا ہے۔ چین پر مغرب کا واویلا ہے کہ وہاں ویغور مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہیں جبکہ چین کی طرف سے مسلسل یورپی اور امریکی مبصرین کو ان علاقوں کا دورہ کرایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ یہ مغربی پروپیگنڈا ہے۔ وہاں مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے لیکن مغربی ممالک ماننے کو تیار نہیں اور ہر سال انسانی حقوق کی تنظیمیں ایران اور چین کو اپنے نشانے پر رکھتی ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ مغربی اقوام کے نزدیک انسان کی تعریف کیا ہے۔ حقوق کسے کہتے ہیں۔ کس رنگ اور نسل کا انسان مغرب کے قائم کردہ انسانی حقوق کے پیمانے پر پورا اترتا ہے۔

ایک مہینے سے زیادہ ہوا اسرائیل غزہ کی پٹی پر مسلسل میزائلوں کی بارش کر رہا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم پریس کانفرنس میں کہتے ہیں کہ یہ فلسطینی اندھیرے ظلمت کے بچے (children of Darknes) ہیں۔ یہ انسان نما جانور ہیں۔ ان کا پانی، بجلی، خوراک سب بند کر دو۔ انہیں جینے کا حق نہیں۔ ایک اسرائیلی وزیر کہتا ہے کہ غزہ کی پٹی پر ایٹم بم پھینک دو تاکہ ان فلسطینیوں کا صفایا ہو جائے۔ ان بیانات پر مغربی میڈیا مکمل خاموش ہے ایک آدھ مذمتی بیان اور پھر خاموشی۔ اگر آپ غور سے اسرائیل کے حملوں کو دیکھیں تو ان کا نشانہ ہسپتال اور مہاجر کیمپ ہیں۔ ایک طرف بجلی، پانی، خوراک بند کر دی گئی ہے تو دوسری طرف بین الاقوامی امدادی اداروں کو بھی امداد پہنچانے کی اجازت نہیں۔ انسانی حقوق کے علمبردار امریکی صدر جو بائیڈن فوراً اسرائیل پہنچے اور بیان دیا کہ ہم ہر طرح سے اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں۔ امریکہ نے اسرائیل کو14 ارب ڈالر کی ہنگامی امداد کا اعلان کیا۔ برطانوی وزیراعظم اسلحے اور ہتھیاروں سے بھرے جہاز میں بیٹھ کر اسرائیل پہنچے اور اسرائیلی وزیراعظم کو تھپکی دی کہ برطانیہ بھی اسرائیل کے ساتھ کھڑا ہے۔ ایک مہینے میں13 ہزار سے زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں زیادہ تر تعداد بچوں اور خواتین کی ہے۔ 10 لاکھ فلسطینی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ہر حملے کے بعد اسرائیلی حکام کا بیان سامنے آتا ہے کہ ان ہسپتالوں اور مہاجر کیمپوں میں حماس کے دہشت گرد چھپے ہیں۔ کیا آپ نے یہ دہشت گرد دیکھے ہیں۔ معصوم، بے بس، لاچار بچے کیا یہی دہشت گرد ہیں۔ جنہوں نے اسرائیل کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ ان ہسپتالوں میں ایسے بھی نومولود ہیں جو پیدا ہونے کے بعد یتیم اور بے گھر ہو گئے ہیں۔ حماس کی کاروائیوں کو جواز بنا کر ہسپتالوں کو نشانہ بنانا کہاں کی انسانیت ہے۔ حالانکہ اس کے کوئی ٹھوس ثبوت ان کے پاس نہیں ہیں۔ بے قصور بچوں، عورتوں، مردوں کا خون دن رات بہایا جا رہا ہے۔ ٹی وی سکرین کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ سخت سردی میں بھوکے پیاسے کھلے آسمان تلے زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ معصوم بچوں کے لاشے اٹھائے ماں باپ پتھرائی آنکھوں سے سکرین کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ سرحد پر امداد کے ٹرکوں کی لائن لگی ہے لیکن روزانہ چند ٹرک ہی سرحد پار کر کے امداد پہنچا سکتے ہیں۔

امریکہ اور یورپ کے جانوروں کے حقوق کی تنظیموں سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ایک زخمی بوڑھے ہاتھی کاون کے اتنے حقوق تھے کہ اس کے لیے دنیا بھر میں آواز اٹھائی گئی لیکن ہزاروں فلسطینیوں کا خون اتنا ارزاں ہے کہ ان کے لیے آواز نہیں اٹھائی جا رہی۔ ایران اور چین میں انسانی حقوق کے لیے آواز بلند کرنے والی تنظیمیں اور حکمران اس وقت آنکھوں پر کون سی پٹی چڑھائے بیٹھے ہیں کہ انہیں یہ ظلم ہوتا نظر نہیں آتا۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات جیسے دولت مند اور طاقتور مسلم ممالک اس وقت صرف زبانی کلامی جمع خرچ میں مصروف ہیں جس طرح سے امریکہ اور برطانیہ متحد ہو کر اسرائیل کی پشت پناہی کر رہے ہیں اگر 57 اسلامی ممالک متحد ہو جائیں، فلسطینیوں کے حق میں آواز اٹھائیں، اسرائیل سے تجارتی، سفارتی تعلقات منقطع کریں تو کیا اسرائیل گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں ہو جائے گا۔ غیروں کی کیا بات کرتے ہیں جس وقت فلسطین میں معصوم بچوں، عورتوں اور مردوں پر میزائلوں کی بارش ہو رہی تھی عین اسی وقت دبئی میں سرکاری سطح پر دھوم دھام سے دیوالی منائی جا رہی تھی۔

رنگ و نور کا سیلاب برپا تھا تو پھر ہم کیسے بائیڈن اور رشی سونک سے گلہ کریں کہ وہ اسرائیل کی حمایت کر رہے ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک میں بڑے پیمانے پر اسرائیلی جارحیت اور ظلم و ستم کے خلاف عوامی مظاہرے جاری ہیں لیکن وہ کچھ اثر نہیں رکھتے کہ ان نام نہاد جمہوری معاشروں میں ایسے موقعوں پر حکمرانوں کی پالیسیاں چلتی ہیں انہیں مظاہرے کرنے کی تو اجازت ہے لیکن یہ مظاہرے ان کی پالیسیاں تبدیل نہیں کر سکتے۔

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومنوں کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت و مودت اور باہمی ہمدردی کی مثال جسم کی طرح ہے کہ جب اس کا کوئی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ بایں طور کہ نیند اڑ جاتی ہے اور پورا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ جبکہ یہاں تو ایک مہینے سے زائد ہوا معصوم فلسطینی تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں اور امتِ مسلمہ تماشائی بنی سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ ہم پاکستانی فلسطینیوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہمارے دل ان کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔

یاسر عرفات جیسے لیڈر کبھی ہماری آنکھ کا تارا تھے۔ ان پر ہونے والے ظلم و ستم پر ہر پاکستانی دکھی ہے۔ اشکبار ہے لیکن بے بس ہے۔ ہم اس وقت زیادہ سے زیادہ مغربی مصنوعات کا بائیکاٹ ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ امتِ مسلمہ کے حکمران لمبی تان کر سوئے ہوئے ہیں۔ معصوم فلسطینیوں کی چیخیں اور آہ و بکا بہرے کانوں، اندھی آنکھوں تک پہنچ رہی ہیں۔ جبکہ کاون ہاتھی اپنے آخری ایام کمبوڈیا کے حسین محفوظ سبزہ زاروں میں گزار رہا ہے۔ مغربی دانشوروں سے سوال ہے کہ وہ کون سی کسوٹی ہے جس پر انسانی حقوق کو پرکھا جاتا ہے۔ ظلم و ستم کا یہ بازار آخر کب تک گرم رہے گا۔

میں زندہ ہوں ابھی

مریم بشیر احمد

خون میں رنگین ہوں
کس قدر غمگیں ہوں
میں فلسطین ہوں
اے مجاہد اٹھ ذرا
ہاتھ میں تلوار اٹھا
مسجدِ اقصیٰ چھڑا
مسجدِ اقصیٰ چھڑا

ہماری سرزمیں بیت المقدس ہے اس کے لیے ابھی میں زندہ ہوں۔ آج جس قدر ہمارے بہن بھائی اور پھولوں جیسے بچوں کو خون سے سرزمین تر کی جا رہی ہے یہ خون کبھی بھی اللہ ضائع نہیں کرے گا قیامت تک۔ تو کیا ہوا ۔ابھی اسرائیلی سو رہے ہیں اپنے لالچ میں گم ہے ہر طرح کی آسائش کو حاصل کرنے کے لیے۔

ان کو اٹھانے کے لیے فلسطینی اور مجاہدین ہیں ناں۔ ان کے ہتھیار تو کمزور ہیں۔ لیکن ایمان تو نہیں ایک دن ایسا بھی آئے گا جہاں ہم سب مسلمان بہن بھائی اور ہماری نیک اصالح اولاد ہو گی، جیسے اسلام میں ہم سب ایک ہیں جس دن اسرائیلی اللہ تعالیٰ کے کلمات کا نعرہ لگائیں گے۔ انشاءاللہ پھر اسی مسجدِ اقصیٰ میں سب بہن بھائی اور ہماری نیک اور صالح اولاد ہو گی جیسے آج فلسطین میں مسجدِ اقصیٰ پر ظلم کیا جارہاہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر! اللہ

ایک دن اسی مسجد کو جنت میں شامل کرے گا اور استغفراللہ! اسرائیلی قوم کو نار میں۔ انشاءاللہ!

بد گمان

شمیمہ صدیق شمیؔ (جموں کشمیر)

وہ کام سے گھر لوٹا تو دیکھا کہ ماں آج پھر گھر کے کسی کام میں مصروف ہے اور اس کی بیوی آج پھر آرام سے بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ اسے بہت غصہ آیا: "ماں کیا اب تمہاری عمر رہی ہے گھر کے کاموں کے لیے، تم آرام کیوں نہیں کرتی؟ اور اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی ہے یا پھر ہاتھ پاؤں ہی ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس نے بیوی کی طرف غصے سے دیکھا اور اس نے نظریں چرا لیں۔"

"کہیں یہ مہارانی تم سے گھر کا سارا کام تو نہیں کرواتی اور خود آرام کرتی ہے؟ وہ دوبارہ ماں سے مخاطب ہوا"۔

"نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے ہی اسے دو گھڑی آرام کرنے کے لیے کہا، یہ بیچاری تو دن بھر کاموں میں لگی رہتی ہے۔ انسان ہے آخر اسے بھی آرام کی ضرورت ہے۔"

"مگر ماں میں نے دیکھا۔ یہ تو اتفاقاً چند بار تم نے ایسا دیکھا کہ میں کام کر رہی ہوں اور یہ آرام، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں اور اتنی جلدی بد گمان نہیں ہوتے وہ بھی بنا حقیقت جانے۔ اس طرح کسی سے بھی بد گمان ہونا اچھی بات نہیں، وہ نرم لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔"

ابلیس و دجال اور الیومناٹی

بلال فانی

ابلیس و دجال اور ایک خفیہ ادارے الیومناٹی اور عصرِ حاضر میں پیدا ہونے والے فتنوں کو قلم بند کرنے سے پہلے میں شیطان اور دجال کے بارے میں قرآن و حدیث میں کیا آتا ہے آپ کے گوش گزار کر دوں۔

ابلیس: دھتکارے جانے سے لے کر آج تک ابلیس کا دستِ فتنہ دراز ہر انسان کو بھٹکانے میں مستغرق ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: (12.5) بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے"۔ صحیح بخاری کی حدیث 2035 کے الفاظ ہیں کہ "شیطان خون کی طرح انسان کے بدن میں دوڑتا رہتا ہے"۔

اللہ نے شیطان کو قیامت تک کی مہلت دی ہوئی ہے اور شیطان قیامت تک بنی آدم کو اللہ کی راہ سے بھٹکاتا رہے گا۔ قرآن کی سورہ نمبر 7 اور آیت نمبر 27 میں ہے کہ "اے اولادِ آدم تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، ان سے ان کا لباس اتروا دیا تاکہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھادے۔

بیشک شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ بیشک ہم نے شیطان کو ان کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ بخاری کی حدیث 3431 میں ہے کہ "جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ بچہ روتا ہے"۔ شیطان ہر انسان کے ساتھ ہے اسلئے دم بدم اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے شیطان مردود سے۔

دجال: فتنۂ دجال کے خطرناک ہونے کا اندازہ آپ اس سے لگالیں کہ کونین کے سردار، والیِ ہر بے آسرا، پیغمبرِ آخر، محمد مصطفےٰ ﷺ خود یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے دجال کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں (بخاری 6365)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کیوں نہ میں تم کو دجال کے متعلق وہ بات بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ کانا ہو گا اور جنت میں جہنم جیسی چیز لائے گا۔ پس جسے وہ جنت کہے گا در حقیقت وہ دوزخ ہو گی اور جسے وہ دوزخ کہے گا در حقیقت وہ جنت ہو گی۔

اور میں تم کو اس کے فتنے سے اس طرح ڈراتا ہوں جیسے نوحؑ نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا"۔

جو دجال قربِ قیامت ظاہر ہو گا اور جو فتنہ برپا کرے گا اس سے پہلے اس خطۂ ارض نے کبھی اتنا بڑا فتنہ نہیں دیکھا ہو گا۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "دجال ایک نہایت سفید گھوڑے پہ سوار ہو گا اور اس کے دونوں کانوں کے مابین ستر باع (ایک باع دو ہاتھوں کی لمبائی کے برابر) کا فاصلہ ہو گا"۔ نبی ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے زمانہ میں دجال کو پائے تو اس سے دور رہے، اللہ کی قسم! آدمی اس کے پاس جائے گا جو مومن ہو گا تو جو شبہات دجال دکھائے گا وہ مومن ان کی وجہ سے دجال کی اتباع کرنے لگ جائے گا"۔ اللہ اکبر کس قدر دل خوف سے لرز جاتا ہے کہ کوئی مومن بھی اس کے جال میں آسانی سے پھنس سکتا ہے۔ وہ شبہات کچھ اس طرح سے حدیث میں آتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "دجال سے پہلے تین قحط پڑیں گے آخری قحط تک آسمان بارش روک لے گا اور زمین تمام نباتات روک لے گی۔

کسی کا اونٹ مرے گا تو دجال اس کے پاس جا کر کہے گا اگر تمہارا اونٹ زندہ کر دوں تو تسلیم کرے گا میں خدا ہوں، وہ بولے گا کیوں نہیں تو شیطان اس کے اونٹ کا روپ دھار کر اٹھ کھڑا ہو گا اور اونٹ کی کوہان بڑی اور تھن بہترین ہو جائیں گے۔ پھر اگر کسی کا بھائی اور باپ مرے گا تو اس کے پاس جا کر بھی یہی کرے گا کہ اگر میں ان کو زندہ کر دوں تو مانے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا کیوں نہیں، شیطان پھر اس کے بھائی اور باپ کی صورت اختیار کر لے گا"۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "میری امت کے ستر ہزار افراد دجال کی اتباع کریں گے اور ان کے سروں پر سبز سیاہ رنگ کے کپڑے ہوں گے"۔ نبی ﷺ نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "وہ دائیں آنکھ سے کانا ہو گا، بال گھنگریالے ہوں گے، اس کی آنکھ اٹھے ہوئے انگور کی طرح ہو گی، ماتھے پہ کافر لکھا ہوا ہو گا جسے ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو"۔ اور فرمایا "تم میں سے اگر کسی کو دجال کے بارے میں شبہ پڑے یا اس کے جال میں پھنسنے لگے تو یاد رکھو دجال کانا ہے اور تمہارا اب بلا شبہ یک چشم نہیں ہے"۔ اللہ ہمیں دجال کے فتنہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

الیومناٹی: اس سوسائٹی کا قیام سنہ1776ءمیں باوریا(موجودہ جرمنی) میں ہوا تھا۔ اس کا مقصد لوگوں کو نئی روشنی کی راہ دکھانا تھا۔ الیومناٹی کا مطلب ہی روشنی کی راہ ہے۔ اس کے کارکن خود کو روشنی کے علمبردار سمجھتے ہیں۔ اس کا علامتی نشان ایک تکون ہے جس میں ایک آنکھ بنی ہے۔

اس میں دجال کی آنکھ بھی ہے اور شیطان کا سر اور سینگ بھی۔ شیطان کے سر کے بارے میں بخاری کی حدیث 3279 میں ہے رسول اللہ ﷺ نے مشرق کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا"فتنہ اسی طرف سے نمودار ہو گا جہاں سے شیطان کے سر کا کونا نکلتا ہے۔

دنیا کی نامور شخصیات اس سوسائٹی کا حصہ ہیں جیسے لیڈی گاگا، مائیکل جیکسن، باراک اوباما، ڈونلڈ ٹرمپ، یویو ہانی سنگھ۔ نیچے اس تصویر میں یہ سب اپنے ہاتھوں سے الیومناٹی اور انگلیوں سے شیطان کے سینگوں کی علامات دکھا رہے ہیں جس سے واضح بتا رہے ہیں کہ ہم شیطان کے پجاری ہیں۔ باراک اوباما اور ڈونلڈ ٹرمپ کے ہاتھوں کے نشان شیطان کے سینگوں کو ظاہر کر رہے ہیں جس سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ شیطان کے پجاری اور الیومناٹی کے کارکن ہیں اور الیومناٹی نے ہی ان کو اقتدار دے رکھا ہے اور یہ سب اسی کے لیے کام کرتے ہیں۔ آج امریکہ اسرائیل کی کیوں مدد کر رہا ہے حالانکہ امریکہ کے لوگ حتیٰ کہ وہاں رہنے والے یہودی بھی فلسطین کے حق میں ہیں مگر وہاں کے حاکم کیوں نہیں کچھ بول رہے یا جنگ بندی کا اعلان کرتے کیونکہ الیومناٹی اور ابلیس و دجال کے ماننے والے ان تمام لوگوں کا خاتمہ کر رہے ہیں جو اللہ کو پوجتے ہیں۔ یہی تو شیطان چاہتا ہے کہ انسان کو اللہ کی راہ سے روک کر اپنی پوجا کرواؤں۔

اور ستم دیکھیں کہ ہم ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں جو شیطان اور دجال کے پیروکار ہیں۔ ارے مسلمانو! ہمارے لیڈر تو نبی کریم ﷺ ہیں کہ جن کی صورت شیطان اختیار ہی نہیں کر سکتا، عمرِ فاروقؓ ہیں کہ جن کو دیکھ کر شیطان راستہ بدل جاتا تھا۔ افسوس ہم ان کی سیرتوں کو چھوڑ کر شیطان کے اور اس کے پجاریوں کے رستے پر چل رہے اور قیامت اس قدر نزدیک ہے کہ بس بلکل سر کے اوپر اور ہم راہِ راست سے بھٹکے ہوئے انسان۔ اللہ ہمارے ایمان کو مضبوط فرمائے توحید پر اور رسول ﷺ کے رستے پر ڈٹے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔
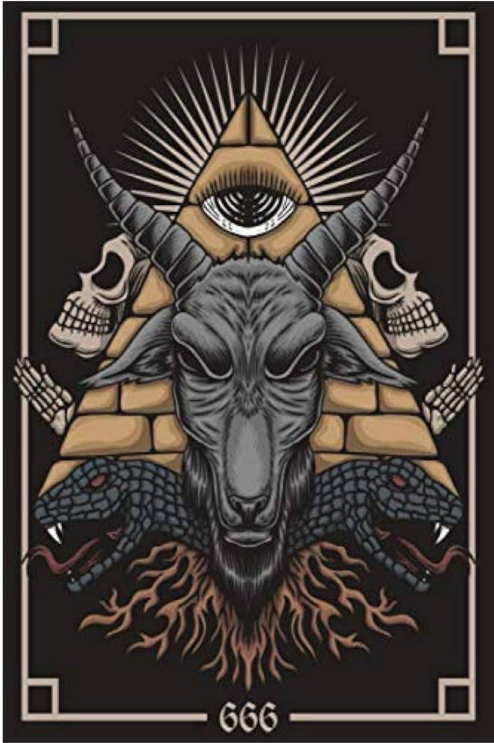
آخر میں ایک بات رقم کرتا چلوں کہ مسلمانوں کا دجال سے کوئی تیر تلوار کا مقابلہ نہیں ہو گا اور نہ ہی اس سے کوئی جنگ ہو گی اس سے تو ہمارے پختہ عقیدے اور ایمان کی جنگ ہو گی جس کا ایمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر قوی ہو گا وہی دجال سے بچ سکے گا۔ ابھی بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے ایمان کو بچانے کا وقت ہے۔ اللہ ہمارے ایمان پختہ فرمائے اور دجال کے فتنہ سے بچنے کی دعا اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں بتائی کہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے یہی تمہیں دجال کے فتنہ سے بچائیں گی۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

کہاں ہیں عرب کہاں ہیں مسلمان

افتخار یونس (صدائے سنگولہ)

اپنے پیاروں کی شہادتوں، غزہ میں آگ کے شعلوں اور چاروں طرف پھیلے دھوئیں میں ہزاروں بچوں جوانوں بزرگوں اور عورتوں کی بے گور و کفن بکھری لاشوں پر کھڑا فلسطینی بچہ عرب اور امتِ مسلمہ کی بے حسی پر ماتم کناں کلمہ گو مسلمانوں کو غزہ میں محصور بے یار و مددگار بھائیوں کی مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ لیکن مدہوش ملت فروش بے حس امت مسلمہ کے حکمران ان آوازوں سے کوسوں دور عیاشیوں میں مگن کربلا کا منظر پیش کرتا غزہ، اسرائیلی بربریت، ملبے تلے دبے شیر خوار بچوں کی آہیں اور فضا میں پھیلا گھروں سے اٹھتا دھواں نظر نہیں آتا ایسے میں فلسطینی اللہ کی مدد اور بھروسے پر اپنے سے کہیں بڑی ایٹمی طاقت کے مقابلے میں کھڑے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایمان و یقین شہادت سے سرشار اور مسجدِ اقصیٰ کی محبت میں بہادری اور موت سے بے پرواہ دیوانہ وار ان کا مقابلہ کر کے امت مسلمہ کے حکمرانوں کو پیغام دے رہے ہیں کہ بزدلو! اٹھو اور ثابت کرو کہ ابھی ہماری رگوں میں اسلاف کا خون منجمد نہیں ہوا۔

ایک طرف خداوندِ کریم تمہارے جذبہ جہاد اور دوسری طرف دنیا تمہاری غیرت کا امتحان لینا چاہتی ہے لیکن عرب حکمرانوں پر قریب سے آنے والی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے کان پر جوں تک رینگتی ہے۔ او آئی سی ہو یا عرب لیگ کی مثال ایک مردہ گھوڑے کی سی ہے جو یہود و نصاری کے اشارے پر جہادی کلچر کے سب سے بڑے مخالف ہیں ان پتا ہے کہ اگر یہ کلچر فروغ پا گیا تو پھر ہمارا اس روئے زمین پر کوئی ٹھکانہ نہیں اس لیے وہ مذمتی بیان بھی جاری نہیں کرتے۔ دوسری طرف مجاہدین کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جہاد میں زندگی ہے یہ لوگ سینوں پر گولیاں کھا کر مسکراتے اور موت کو ایک کھیل سمجھ کر دشمن کے توپوں ٹینکوں اور فضا سے بم باری کرتے لڑاکا طیاروں سے مرعوب ہونے کے بجائے خطرناک سے خطر ناک مہم کو سر کرتے ہوئے حماس کے ترجمان ابو عبیدہ اسرائیل کے حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کا خوف دل میں لیے بغیر جس میں سوئی ہوئی اور بے حس امت مسلمہ کے لیے بھی ایک پیغام ہے۔

سوائے تلوار و نار (آتش و آہن کے) تاریخ اور حالیہ مناظر بہترین گواہ ہیں اور مستقبل میں بھی فیصلہ کن دلیل بن کر سامنے آئے گا۔ اللہ کے حکم سے "تم یہ سوچ کر بے وقوف نہ بنو کہ خوفناک قتلِ عام کر کے ہمیں کمزور کر دو گے۔ جان لو کہ ہمارا درد تمہارے چہرے پر پھٹ جائے گا۔"

پانی اب سر سے گزر چکا ہے

حالات نے مجاہدینِ اقصی کو آخری فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ امتِ مسلمہ کے لیڈر بیانوں احتجاجوں اور قراردادوں کے نسخے آزما رہے ہیں۔ غزہ میں نہتے تہی دست مجاہدین جبر و استبداد کے طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو کر امتِ مسلمہ کے سب سے بڑے محسن جو سینوں پر گولیاں کھا کر اپنا سب کچھ لٹا کر نئی امید نئے عزم اور نئی قوت کے ساتھ میدان کارزار یہود و نصاری کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ امتِ مسلمہ فلسطینی مجاہدوں کا احسان نہیں بھول سکتی جنہوں نے کفر کے خلاف اور اسلام کے غلبے کے لیے جہاد شروع کیا ہوا ہے۔ عرب لیگ اور او آئی سی کی سرد مہری جہاد سے دوری اور امت مسلمہ کے حکمرانوں، عرب کے شہ سواروں، اقوامِ متحدہ کی عالمی طاقتوں کے سامنے بے بس اور مجرمانہ خاموشی، بے گور و بکھری فلسطینی بچوں اور مرد و خواتین کی لاشیں، اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کی قبروں، گھر کے بلند ہوتے شعلوں، اللہ سے شکایت کرتے اور ملبے کے ڈھیر پر کھڑے فلسطینی بچے چیخ چیخ کر بزدل حکمرانوں اور امتِ مسلمہ سے کہہ رہے ہیں کہ "کہاں ہیں عرب اور کہاں ہیں مسلمان ؟"

قیامت خیز منظر

یاسمین ناز

لہو لہان فلسطین، بکتی ہوئی انسانیت، چیختی مائیں، چلاتے بچے، آہ و بکا کرتے ہوئے باپ، درد میں تڑپتے انسان، بے گور و کفن لاشے، خون کی بہتی ندیاں، عالمِ کفر کی بڑھتی ہوئی جارحیت، دندناتی بربریت، سسکتی ہوئی انسانیت، دلخراش مناظر اور عالمِ اسلام کی ایسی بے حسی جو اسے اپنے جیسے مسلمانوں کی درد کو محسوس نہ کروا سکی۔ یہ کچھ ایسے دلدوز اور دلخراش واقعات ہیں جو صفحہ قرطاس پہ لانے ناممکن ہیں۔ دندرہ صفت یہودیوں کے ہاتھوں ہونے والا قتل عام ایک ایسا سانحہ ہے جسے دیکھ کر دشمن بھی مغموم ہیں مگر مسلمان خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں یہ منظر ایسے دیکھنے میں مصروف ہیں جیسے کوئی میچ ہو۔

ایک برق بلا کوند گئی سارے چمن پر
تم خوش کہ مری شاخِ نشیمن ہی جلی ہے

تم کیوں بھول گئے ہو کہ یہ وقت تم پہ بھی آنے والا ہے اور جیسے آج تم اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں اور ماؤں کی دلدوز چیخیوں کو بھول گئے ہو تم بھی ایسے بھلا دیے جاؤ گئے۔ تمہارا بھی نام و نشان تک نہ ہو گا۔ آج تم یہ میچ دیکھ رہے کل کوئی اور آپ کے ساتھ کھیلتا ہوا یہ میچ دیکھے گا۔ دیکھو ابھی بھی وقت ہے۔ اٹھ جاؤ اس پہلے کہ تمہارا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ او مسلمانو! کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو محمود غزنوی کی تاریخ دہرا دے، جو محمد بن قاسم کی تاریخ دہرا دے، جو صلاح الدین ایوبی بن جائے۔ مسلمانو! تمہاری تاریخ کامیابیوں سے بھری پڑی ہے مگر آج وقتِ زوال ہے ہم پر اس لیے کہ ہم نے دین کو چھوڑ دیا، ہم نے رب کو بھلا دیا۔ ہم نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ یاد رکھو موت تو سب کو آنی ہے مگر ہم مرنے سے پہلے ہی مر چکے ہیں۔ ہم زندہ لاشیں ہیں جو کفار کے سہاروں محتاج بنے ہوئے ہیں۔ جاگ جاؤ میری قوم کے باشعور لوگو، اٹھو کفر کے ایوانوں کو ایسی ضربیں دو تاکہ دنیائے کفر صدیوں تک زخم چاٹنے پر مجبور ہو جائے۔

مسلمانو! جاؤ رب کی خاطر دشمنوں کی صفوں میں گھس کر انہیں تباہ کر دو۔ جاؤ رب کی جنتوں کے وارث بننے والوں میں شامل ہو جاؤ اور اپنی آخری سانس تک وار دو۔ یہی اصل زندگی ہے۔ ان راستوں پر اگر آپ کو بکنا پڑے تو بک جاؤ۔ مرنا پڑے تو مر جاؤ، یہی اصل زندگی ہے۔

ہے ناز کی ایک معصوم سی خواہش
گر مومن ہے تو نکل تیغِ بے نیام لے کر
چیر دے دشمنوں کی صفوں کو شمشیرِ نیام لے کر

نئی نسل کے لکھاری

حافظ نبیل عابد

ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی اور صلاحیت ضرور ہوتی ہے، جو اس کو دیگر لوگوں سے منفرد بناتی ہے۔ کوئی پڑھانے میں اچھا تجربہ رکھتا ہے تو کوئی خطابت کرنے میں بے مثال ہوتا ہے۔ اگر کسی کو بولنا نہیں آتا تو اس کے پاس قلم کے ذریعے اپنی بات کو دوسروں تک پہچانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی تقسیم ہے وہ جس کو چاہے جو چیز اور فن عطا کر دے، اس ذات کی مرضی ہے، ہمیں بھی چاہیے جو جو خوبیاں ہمارے اندر موجود ہیں ہم ان کا درست استعمال کریں اور اپنے معاشرے کو سدھارنے کی کوشش کریں، برائی کو یا ظلم کو روکنے کی طاقت نہ بھی ہو ہمارے اندر لیکن پھر بھی اس کے لیے آواز اٹھا سکیں، اپنی خطابت کے ذریعے یا اپنے قلم کے ذریعے تاکہ جب تاریخ لکھی جائے تو ہمارا نام بھی کسی کونے کھدرے میں لکھا جاسکے۔

کتاب کا دور تقریباً ختم ہوتا جارہا ہے۔ دنیا بہت ترقی کر رہی ہے۔ ہر چیز ڈیجیٹل ہو رہی ہے اور کتابیں بھی پی ڈی ایف میں عام ہوتی جارہی ہیں۔

اسی چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آنلائن رسالے بھی شائع کیے جارہے ہیں۔ ادارے بنے ہوئے ہیں جو نئی نسل کے لکھاریوں کو لکھنے اور آگے بڑھنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔ دیکھنے میں آیا ہے ہماری نئی نسل کے لکھاریوں نے قلم اٹھایا ہے وہ لکھتے ہیں، لیکن ان کے قلم میں وہ جان نہیں ہے جو ہونی چاہیے، وہ چیز لکھ نہیں رہے اپنے قلم سے جو لکھنی چاہیے، وہی پرانے دور کی طرح اب یہ نئی نسل بھی اپنے آپ کو ڈھالنے کی اور چلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں بھی دورِ جدید کے ساتھ چلنا چاہیے، معاشرہ جو چیز چاہتا ہے اسی کو اپنے قلم کی نوک پر رکھنا چاہیے، اسی کو لفظوں میں ڈھال کر قوم کے سامنے رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنے قلم کی طاقت سے معاشرے میں بہتری لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایسا کچھ لکھا جائے اپنے قلم سے جس کو پڑھ کر نوجوان نسل میں صحیح سمت پر چلنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

لیکن ہمارے نئی نسل کے لکھاری سوائے فرضی قصے کہانیوں کے علاوہ کچھ لکھ ہی نہیں رہے، وہی عشق ومحبت کی جھوٹی داستانیں لکھ لکھ کر لوگوں کے سامنے رکھے جا رہے ہیں۔ جھوٹے افسانے لکھے جا رہے ہیں، اپنی تحاریر میں رومانس اور فحاشی پر مبنی کرداروں کو اجاگر کیا جا رہا ہے، اگر یہی کچھ چلتا رہا تو پھر ہمارے لکھنے کی اس صلاحیت کا کیا فائدہ؟

فیسبک وغیرہ پر جا کر چیک کریں آپ تو دیکھنے کو ملے گا آپ کو کہ پڑھے لکھے لڑکے اور لڑکیاں جو اپنے آپ کو رائٹر کہتے اور سمجھتے ہیں، ان کو سوائے ناولز اور فرضی کہانیاں لکھنے کے اور کوئی کام نہیں، پھر بڑے فخر سے کہتے ہیں ہمارے تو اتنے ناولز ہو گئے، اتنے میرے فالورز ہیں، جو مجھے پڑھتے ہیں۔

اب سوال ہے ایسے نوجوان لکھاریوں سے کہ کیا آپ کی قلم سے نکلے الفاظ پڑھ کر کسی نے اپنے آپ کو تبدیل کیا؟ جو کچھ لکھا آپ نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی اللہ تبارک وتعالٰی کے قریب ہوا؟ نہیں بالکل بھی نہیں۔ کیونکہ ہم نے آج تک ایسا کچھ لکھا ہی نہیں جس کو پڑھ کر کوئی دوسرا انسان اپنے آپ کو تبدیل کرے، ہم تو اپنی تحاریر اور مضامین وغیرہ میں یہ سکھا رہے ہیں نوجوان نسل کو کہ عشق ومحبت کیسے کرنا چاہیے، کس طرح گھر والوں سے چھپ کر اور والدین کو جھوٹ بول کر کسی غیر محرم سے پیار کا ڈھونگ رچایا جائے۔ جتنے لوگ ہمیں پڑھتے ہیں جنھوں نے ہمیں فالو کیا ہے ان کی زندگی بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے، ہمیں اپنے قلم کے ذریعے، نہ کہ ہم ان میں اپنے بیہودہ عشق و محبت اور فحاشی پر مبنی نظریات کو بھرنا شروع کر دیں، آپ کو لکھنے کی صلاحیت سے نوازا گیا ہے تو آپ معاشرے کے تلخ رویوں پر لکھیں، معاشرے میں مظلوم لوگوں کی آواز بنیں، ان عظیم اسلاف پر لکھیں جن کو ہمارا معاشرہ یکسر بھلا چکا ہے۔ جن کی طرف کوئی بھی دھیان نہیں دے رہا، آپ اپنے قلم کے ذریعے ان کی آوز بنیں۔ لکھنے کو تو بہت کچھ ہے اگر صحیح معنوں میں ہم لکھنے کی کوشش کریں تو ہم فرضی قصے کہانیوں سے باہر آئیں گے تو ہی ہمیں حقائق پر مبنی کردار نظر آئیں گے۔

تعلیمی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے اپنے قلم کو استعمال کیجیے۔ معاشرے میں چل رہے تعصب سے لبریز سیاست کو ختم کرنے میں قلم کے ذریعے اپنا کردار ادا کریں، پوری دنیا میں مسلم قوم پر ظلم ہو رہا ہے۔ خصوصاً اب فلسطین کے حوالے سے بھی لکھا جا سکتا ہے، لیکن ہم نہیں لکھ رہے۔ قلم کے ذریعے جہاد کیجیے۔ اللہ ہمیں حق سچ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نماز

زعیمہ روشن

ٹھکانہ قبر ہے تیرا، عبادت کچھ تو کر غافل
کہاوت ہے کے خالی ہاتھ گھر جایا نہیں کرتے

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برے کاموں سے۔" (العنکبوت:45)

"اور ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔" (طٰہٰ:14)

نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے۔
نماز کے بغیر ایک مسلمان ادھورا ہے۔
ایک مسلمان جب زبان سے کلمہ پڑھ لیتا ہے تو اس پر جو اس کے بعد جو چیز لاگو (فرض) ہوتی ہے وہ ہے نماز۔

نماز دین کا ستون ہے اور اس کی مثال آپ کو میں ایسے دیتی ہوں کے ایک گھر تعمیر کروا رہیں ہوں تو اگر پلر (ستون) ہی نہ رکھوائیں تو کہاں کا مکان اس کی بنیادیں ہی جس چیز سے ہوں گی وہ ہی اس کو مکمل کریں گی ناں۔ تو انسان دین کو مکمل کر ہی نہیں سکتا جب تک کے وہ نماز قائم نہ کر لے۔

"مومن (مسلمان) اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز کیا ہے؟ نماز" اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز ہم مسلمانوں پر فرض کر کے ہمارے ایمان اور اس پر پختہ یقین رکھنے کا امتحان لینے کے لیے نماز کو فرض کیا یعنی ایک مسلمان اپنے رب کے احکام کو کس قدر پابندی سے ادا کر سکتا ہے۔
اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا نام نماز ہے۔
اللہ کو ہماری نماز کی نہیں ہمیں، ہماری نماز کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دونوں جہانوں کا مالک و خالق ہے، اس کے پاس تو کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

یہ بھی اسی رب کی مہربانی کے ہمیں اس قابل سمجھا کے ہمیں موقع دے رہا ہے خود سے قریب کرنے کا۔ جو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کر رہا ہے تو اس کا اپنا فائدہ جو نہیں کر رہا وہ یہ ہر گز نہ سمجھے کے وہ خود سے اللہ کی طرف نہیں بڑھ رہا بلکہ اسے تو پریشان ہونا چاہیے کے اللہ تعالیٰ اس سے سجدوں کی توفیق کیوں چھین رہا ہے کہیں اللہ ناراض تو نہیں؟

اسے تو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کے کہاں اور کس جگہ پر اس سے نافرمانی سرزد ہوئی کے اللہ اس سے ناراض ہو گیا۔ کوشش کریں کے حال میں اپنی نمازیں ادا کریں ورنہ حال جب ماضی بن کے آپکے سامنے آتا ہے تو پچھتاوے اور شرمندگی سے آپ اپنے ضمیر کے سامنے کھڑے نہیں ہو پاتے۔ اس لیے کوشش کریں جو زندگی گزر رہی ہے ایسی حالت میں گزاریں کہ آپ کا رب آپ سے راضی ہو۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے۔ "قیامت والے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اور جس کی نماز اچھی ہو گی اس کے باقی اعمال بھی اچھے ہوں گے۔" اور ایک حدیثِ مبارکہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ "نماز کی مثال ایسی ہے کے اگر ایک بندہ دن میں ایک نہر (چشمے) میں ایک دن میں پانچ بار نہائے تو اس پر میل کچیل باقی نہیں رہے گی تو مومن کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ پانچ وقت کی نماز کے بعد اس کے گناہ دھل جاتے ہیں۔" (سبحان اللہ)

کچھ لوگوں کو نماز کا کہا جائے تو کہتے ہیں کل سے شروع کریں گے۔ نماز تو ازل سے شروع ہے اب آپ ادا کل سے کریں گے تو یہ کل بھی اگر آپ کی زندگی میں نہ آئے تو یہ آپ کی بدقسمتی ہے۔ کیونکہ "نماز مومن کی معراج ہے"۔ اس کو تھامے اور قائم رکھنا، اس کی ایمان کی حالت میں ہونے کی (کامیابیوں) کی پہلی سیڑھی ہے۔ "انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ رنگ کا نقطہ بن جاتا ہے اور جب زیادہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطے زیادہ ہو جاتے ہیں ایسی ہی مثال نماز کی ہے۔" "جب بندہ نماز پڑھنا ترک کر دیتا ہے تو شروع شروع میں پتہ ہی نہیں لگتا کس سمت جا رہا ہے کیونکہ شیطان بھی تو اسے پھنسا لیتا ہے اپنی بھول بھلیوں میں اور پھر آہستہ آہستہ وہ بالکل ہی دین سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ "اور وہ بھولا اور بھٹکا ہوا غافل انسان یہ سمجھتا ہی نہیں کہ دین تو سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔"

دین میں کسی قسم کی سختی ہے ہی نہیں، نہ دین جبر کا نام ہے۔ کسی کو زبردستی نماز قائم کروائیں یا پھر روزے یا کوئی بھی ارکان اسلام کسی سے جبراً کروانا بھی جائز نہیں ہے۔ "جو اپنی دلی سکون اور اللہ کو راضی کرنے کی خاطر عبادت کرتا ہے وہ ہی عبادت رب کے ہاں منظور ہوتی ہے۔" کوشش کریں کے اللہ آپ کو سجدوں کی توفیق دے، ورنہ اکثر لوگوں بڑھاپے میں بغیر سجدوں کے بھی نمازیں پڑھنی پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پانچ وقت کا نمازی بنائے اور عین دین و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح

ردا امانت علی (فیصل آباد)

آج میں قلم اٹھا کر ایسی شخصیت کے بارے میں لکھنے جا رہی ہوں جس کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے بہت کم ہو گا۔ پیدائشی نام محمد علی جناح، 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ سرکاری طور پر پاکستان میں آپ کو قائدِ اعظم یعنی سب سے عظیم رہبر اور بابائے قوم یعنی "قوم کا باپ" بھی کہا جاتا ہے۔ جناح کا یومِ پیدائش پاکستان میں قومی سطح پر منایا جاتا ہے، اس دن پاکستان میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ آپ پاکستان کے نامور وکیل، سیاست دان اور بانی پاکستان تھے۔ محمد علی جناح 1913ء سے لے کر پاکستان کی آزادی 14 اگست 1947ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سربراہ رہے، پھر قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک، وہ ملک کے پہلے گورنر جنرل رہے۔ دنیا کا سب سے طاقتور پاسپورٹ، جس کی دو لائنیں مٹانے کے لیے اسرائیل مرا جا رہا ہے لیکن ان شاء اللہ یہ دو لائینیں قیامت تک نہیں مٹیں گی۔

پاکستان کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح کا فرمان ہے کہ پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا، یہ وہ الفاظ ہیں جو ہر پاکستانی کے دل کی آواز ہیں۔ آپ کے والد گجرات کے ایک مالدار تاجر تھے جو کہ جناح کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے کاٹھیاوار سے کراچی منتقل ہو گئے۔ ان کے دادا کا نام جناح میگجی تھا، جو کہ کاٹھیاوار کی ریاست گوندل میں بھاٹیا نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی طور پر یہ گھرانہ ہجرت کر کے ملتان کے نزدیک ساہیوال میں آباد ہوا۔ کچھ ذرائع سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جناح کے آبا و اجداد ساہیوال، پنجاب سے تعلق رکھنے والے ہندو راجپوت تھے جو کہ بعد مسلمان ہو گئے۔ جناح کے دیگر بہن بھائیوں میں تین بھائی اور تین بہنیں تھیں، بھائیوں میں احمد علی، بندے علی اور رحمت علی جبکہ بہنوں میں مریم جناح، فاطمہ اور شیریں جناح شامل تھیں۔

جناح کے خاندان والے شیعہ مذہب کی شاخ کھوجہ شیعہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن جناح بعد میں شیعہ مذہب کی ہی دوسری شاخ اثناء عشری کی جانب مائل ہو گئے۔ ان کی مادری زبان گجراتی تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ کچھی، سندھی، اردو اور انگریزی بھی بولنے لگے۔ نوجوان جناح ایک بے چین طالبِ علم تھے، جنھوں نے کئی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی۔ کراچی میں سندھ مدرسۃ الاسلام، ممبئی میں گوکل داس تیج پرائمری اسکول اور بالآخر مسیحی تبلیغی سماجی اعلیٰ درجاتی اسکول، کراچی میں آپ زیرِ تعلیم رہے جہاں سے آپ نے 16 سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان جامعۂ ممبئی سے پاس کیا۔ اسی سال 1892ء میں آپ برطانیہ کی گراہم شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی میں تربیتی پیش نامہ کے لیے گئے، ایک ایسا تجارتی کام جو کہ پونجا بھائی جناح کے کاروبار سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔ تاہم برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی والدہ کے دباؤ پر آپ کی شادی آپ کی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے کردی گئی، جو کہ آپ سے دو سال چھوٹی تھیں۔ تاہم یہ شادی زیادہ عرصے نہ چل سکی کیونکہ آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ مہینوں بعد ہی ایمی جناح وفات پا گئیں۔

لندن جانے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لے لیا اور 1895ء میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور 19 سال کی عمر میں برطانیہ سے قانون کی ڈگری حاصل کرنے والے کم سن ترین ہندوستانی کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے ساتھ سیاست میں بھی آپ کی دلچسپی بڑھنے لگی اور آپ ہندوستانی سیاستدانوں دادا بھائی ناؤروجی اور سر فیروز شاہ مہتہ سے متاثر ہونے لگے۔ اس دوران آپ نے دیگر ہندوستانی طلبہ کے ساتھ مل کر برطانوی پارلیمنٹ کے انتخابات میں سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ اس سرگرمیوں کا اثر یہ ہوا کہ جناح وقت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی آئین ساز خود مختار حکومت کے نظریہ کے حامی ہوتے گئے اور آپ نے ہندوستانیوں کے خلاف برطانوی گوروں کے ہتک آمیز اور امتیازی سلوک کی مذمت کی۔ 1896ء میں جناح نے انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کی جو کہ اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت تھی لیکن اس وقت کے دیگر کانگریسی رہنماؤں کی طرح جناح نے یکسر آزادی کی حمایت کرنے کی بجائے انھوں نے ہندوستان کی تعلیم، قانون، ثقافت اور صنعت پر برطانوی اثرات کو ہندوستان کے لئے موثر قرار دیا۔

جناح 1916ء کو کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہونے یثاقِ لکھنؤ کے معمار تھے، جو کہ خود مختاری، برطانیہ سے آزادی اور اس جیسے دیگر متفقہ مسائل سے نمٹنے کے لئے ایک متحدہ پلیٹ فارم تھا۔ آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوئے اور مسلم ہندو اتحاد کے حامی تھے۔ کانگرس سے اختلافات کی وجہ سے آپ نے کانگرس پارٹی چھوڑ دی اور مسلم لیگ کی قیادت میں شامل ہو گئے۔ آپ نے خود مختار ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کی خاطر مشہور چودہ نکات پیش کئے۔ مسلم لیڈروں کے درمیان اختلافات کی وجہ سے آپ انڈیا چھوڑ کر برطانیہ چلے گئے۔ بہت سے مسلمان رہنماؤں خصوصا علامہ اقبال کی کوششوں کی وجہ سے آپ واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ جناح عقائد کی نقطہء نظر سے ایک معتدل مزاج شیعہ مسلمان تھے۔ شہنشاہ اورنگزیب کے بعد ہندوستان نے اتنا بڑا مسلمان لیڈر پیدا نہیں کیا جس کے غیر متزلزل ایمان اور اٹل ارادے نے دس کروڑ شکست خوردہ مسلمانوں کو کامرانیوں میں بدل دیا ہو۔

مولانا ظفر علی خان: "تاریخ ایسی مثالیں بہت کم پیش کر سکے گی کہ کسی لیڈر نے مجبور و محکوم ہوتے ہوئے انتہائی بے سر و سامانی اور مخالفت کی تند و تیز آندھیوں کے دوران دس برس کی قلیل مدت میں ایک مملکت بنا کر رکھ دی ہو۔"

لیاقت علی خان: پاکستان کے پہلے وزیرِاعظم اور قائد کے دیرینہ ساتھی نواب زادہ لیاقت علی خان نے کہا تھا۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی خاکسار تحریک کے بانی اور قائدِاعظم کے انتہائی مخالف علامہ مشرقی نے قائد کی موت کا سن کر فرمایا: اس کا عزم پایندہ و محکم تھا۔ وہ ایک جری اور بے باک سپاہی تھا، جو مخالفوں سے ٹکرانے میں کوئی باک محسوس نہ کرتا تھا۔

علامہ اقبال: ایک خط میں علامہ نے قائد کو لکھا" برطانوی ہند میں اس وقت صرف آپ ہی ایسے لیڈر ہیں جن سے رہنمائی حاصل کرنے کا حق پوری ملتِ اسلامہ کو حاصل ہے۔"

علامہ کی بیماری کے دوران جواہر لال نہروان کی عیادت کو آئے۔ دورانِ گفتگو نہرو نے حضرت علامہ سے کہا" حضرت آپ اسلامیانِ ہند کے مسلمہ اور مقتدر لیڈر ہیں کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ آپ اسلامیانِ ہند کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔"

حضرت علامہ نے فرمایا: "جواہر لال! ہماری کشتی کا ناخدا صرف مسٹر محمد علی جناح ہے میں تو اس کی فوج کا ایک ادنٰی سپاہی ہوں۔"

مفتیٔ اعظم فلسطین سید امین الحسینی قائدِ اعظم دسمبر 1946ء میں لندن سے واپسی پر قاہرہ میں ٹھہرے۔ یہیں پر اخوان المسلمون کے عظیم رہنما امام حسن البنا شہید بھی آپ سے ملے اور آپ کو قرآن کریم کا ایک نسخہ بھی پیش کیا یہ نسخہ اب بھی مقبرہ قائد کے ساتھ واقع میزیم کی زینت ھے۔ انہی دنوں مفتی اعظم قاہرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک تقریب میں آپ نے قائد کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا۔ پاکستان بننے کے بعد جناب مفتیٔ اعظم نے فرمایا،" اللہ تعالٰی نے ہمیں فلسطین کے بدلے میں پاکستان کا خطہ عنایت فرمایا ہے۔"

پروفیسر اسٹینلے: "جناح آف پاکستان" کے مصنف پروفیسر اسٹینلے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا امریکہ اپنے کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تاریخ کا دھارا بدل دیتے ہیں اور ایسے لوگ تو اور بھی کم ہوتے ہیں جو دنیا کا نقشہ بدل کر دیتے ہیں۔ ایسا تو کوئی کوئی ہوتا ہے جو ایک نئی مملکت قائم کر دے۔ محمد علی جناح ایک ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے بیک وقت تینوں کارنامے کر دکھائے۔ 14 جولائی 1948ء کا دن تھا جب اس وقت کے گورنر جنرل محمد علی جناح کو ان کی علالت کے پیش نظر کوئٹہ سے زیارت منتقل کیا گیا تھا۔ بابائے قوم کی بہن فاطمہ جناح نے اپنی کتاب مائی برادر میں تحریر کیا ہے کہ کوئٹہ سے زیارت منتقل ہونے کا فیصلہ جناح کا ذاتی فیصلہ تھا کیونکہ ان کی سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات کے باعث کوئٹہ میں بھی انہیں آرام کا موقع بالکل نہیں مل رہا تھا اور مختلف اداروں اور مختلف رہنماؤں کی جانب سے انہیں مسلسل دعوتیں موصول ہو رہی تھیں کہ وہ ان کے اجتماعات میں شرکت کریں اور ان سے خطاب کریں۔ اس کے بعد وہ فقط 60 دن زندہ رہے اور 11 ستمبر 1948ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بابائے پاکستان کے یہی آخری 60 دن اس تحریر کا موضوع ہیں۔

یہ پراسرار گتھی آج تک حل نہیں ہو سکی کہ قائد اعظم محمد علی جناح کو شدید بیماری کے عالم میں کوئٹہ سے زیارت منتقل ہونے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔

زیارت اپنے صنوبر کے درختوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے اور کوئٹہ سے 133 کلو میٹر فاصلے پر 2449 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ جگہ ایک بزرگ خرواری بابا کی آخری آرام گاہ کی نسبت سے زیارت کہلاتی ہے اور جناح کی آرام گاہ یا قائد اعظم ریزیڈنسی زیارت سے 10 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

بابائے قوم کے لیے ردا کی طرف سے ایک نظم:

تیرے بغیر پاکستان کا وجود تھا کہاں
تیری انتھک کوششوں سے بنا تھا پاکستان
کہ حیرت سے دیکھتا تھا تجھے جہاں
اے میرے قائد! اے میرے قائد!
آج تو ہوتا تو پاکستان عرش کا تارہ ہوتا
کرتے تجھے پیار، تُو ملت کا تارہ ہوتا
اے میرے قائد! اے میرے قائد!

پرامید پکار

کنیز السیدۃ النساء العالمین

سنو! اے بکھرے موتیوں کی مانند ٹوٹے انسان! اگر اللہ کسی بندے کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور پھر اگر وہی بندہ اپنی آزمائش میں سب سے پہلے اپنے رب کو پکارتا ہے اور اسی سے مدد کا طلبگار ہوتا ہے نہ کہ کسی اور بشر سے یا دوست سے تو سوچو! اللہ بھلا کیوں نہ اپنے بندے کی فریاد سنے گا؟ وہ رب بہت غیرت مند ہے وہ رب کیوں نہ سوچے گا کہ میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ دنیا دھوکہ ہے اور واحد اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے نہ کہ اس کا بندہ۔ اسی لیے یہ بندہ پہلے پہل میرے سامنے جھولی پھیلائے آیا ہے اور مجھ سے فریاد کرتا ہے، تو کیوں نہ میں اپنے بندے کو عطا کروں۔

اے پیارے انسان! یاد رکھو! اگر ہم اللہ سے کسی چیز کے طلبگار ہیں اور وہ ہمیں نہیں مل رہی تو اللہ نے آزمائش کا وقت مقرر کر رکھا ہے، ہو سکتا ہے، اللہ کو آپ کا مانگنا پسند ہو تو وہ آپ کا مانگنا دیکھتا ہو۔ وہ آپ کا صبر دیکھتا ہو، واللہ وہ رب آپ سے بہت محبت کرتا ہے فقط صبر کے متلاشی ہیں ایمان والے صبر سے کام لو اور اپنے اللہ کو یاد رکھو اور اللہ کے ہو کر رہ جاؤ اور اللہ تو فرما رہا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

موجودہ دور کے طلب اور گزشتہ دور کے طلب میں کیا فرق ہے؟

مومنہ جدون

موجودہ دور میں تعلیم کا طریقہ تبدیل ہو گیا ہے۔ تعلیمی اداروں میں جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے طلباء کو پڑھایا جا رہا ہے۔ جدید تعلیم میں طلباء کو جدید سائنسی تعلیم، فکشن، ٹیکنالوجی اور دیگر زبانوں پر عبور، الغرض بی ایس طریقہ کار میں تمام تر مضامین پڑھائے جا رہے ہیں۔ آج کل ٹیکنالوجی کی بناء پر طلبہ انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ جب چاہیں ویڈیو لیکچرز دیکھ سکتے ہیں انہیں باقاعدہ اپنے پاس محفوظ رکھ سکتے ہیں، آن لائن کلاسز لے سکتے ہیں اور پھر گھر، آفس، مارکیٹ کسی بھی جگہ سافٹ ویئر ڈیوائسس (موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ) کی مدد سے آن لائن امتحان بھی دے سکتے ہیں۔ مگر اس سب میں یہ بات یاد رہے کہ طلباء صرف کتابی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ہنر و مہارت کی کمی ابھی بھی باقی ہے۔ جبکہ گزشتہ وقت میں طلباء کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی، معاشی، معاشرتی روایات، اور دین کے بارے میں پڑھایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ طلباء کو مختلف سرگرمیاں کروائی جاتی تھیں جن سے وہ ہنر سے بھی بہرہ ور ہوتے تھے۔ الغرض گزشتہ دور تعلیم، فن و دستکاری یعنی پیشہ ورانہ تعلیم کا دور تھا۔ گزشتہ دور کے طلبہ کو موجودہ دور کے طلبہ کی طرح کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت میسر نہ تھی۔ وہ تعلیم کے لئے میلوں کا سفر طے کر کے باقاعدہ مدرسوں، خانقاہوں اور درسگاہوں کا رخ کرتے تھے اور وہاں اپنے معلم کی زیر سرپرستی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جماعت میں اسباق تختی پر لکھائے جاتے تھے اور پھر یاد دہانی کے طور پر گھر کے لیے کام دیا جاتا تھا جس کے لیے باقاعدہ قاعدے اور تختیاں ہوتے تھے۔ پہلے زمانے میں طلباء کی شخصیت سازی کی جاتی تھی جب کہ آج کے طلباء آنلائن دنیا میں پیوست ہو کر اس سے محروم ہو رہے ہیں۔

زندگی آخرت کی تجارت ہے

شانزہ مشتاق (گوجرانوالہ)

میں گاؤں کی ایک عام اور سادہ سی لڑکی ہوں، میری زندگی میں ایک ایسا واقع پیش آیا جس نے میرے دل کو توڑ دیا اور میری روح کو زخمی کر دیا پہلے تو میں بکھر چکی تھی لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے اللہ مجھ پہ اپنا فضل کرتا گیا اور میں اللہ کے قریب ہوتی گئی جس طرح خوشی کی گھڑیاں سدا نہیں رہتیں، مقررہ وقت پر ختم ہو جاتی ہیں اسی طرح غم کی حالت بھی ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔

کے بعد بہار ضرور آیا کرتی ہے۔ جو خزاں کے عالم میں ثابت قدم رہا، شکر کیا، شکوہ شکایت نہ کی، صبر سے رحمت کا منتظر رہا تو اس کے حالات ضرور بدلتے ہیں۔

اور پھر میری زندگی کے بھی حالات بدل گئے میں نے جو کچھ کھویا تھا اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور جو کچھ میرے پاس ہے اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر اپنی زندگی کے اصل سفر کی طرف روانہ ہوئی۔ میں نے اللہ سے دوستی کر لی اور اللہ کے قریب ہونے لگی۔

جوں جوں میں اپنے اللہ کے قریب ہوتی گئی میں سمجھتی گئی کہ دنیا اور دنیا کی ہر شے فانی اور عارضی ہے۔ یہ زندگی اللہ کی امانت ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس زندگی کو نہیں گزار سکتے۔ جبکہ انسان کا اختیار نہ تو سانس پر ہے اور نہ ہی تقدیر پر۔ میں نے اس بات کو ذہن نشین کر لیا کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے اسی طرح ہوتا ہے جیسے کہ اللہ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ آپ ہی مالک الملک ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی میں اپنی مرضی شامل کر لی جائے تو زندگی میں راحت اور سکون ضرور مل جاتا ہے۔ میں نے جب خود کو اللہ کا پسندیدہ بنانے کا سفر شروع کیا تو سب سے پہلے اللہ سے اس کی رضا مانگی۔

اللہ سے محبت یہی ہے کہ خود کو اس کے حوالے کر دو۔ جب جب میں اسے سجدہ کرتی ہوں دل اس بات کی گواہی دیتا ہے اللہ میں اپنے آپ کو آپ کے سپرد کرتی ہوں ہر اس شے کی خواہش سے دست بردار ہوتی ہوں جو مجھے آپ سے دور کرے۔

دنیا اور دنیا کی ہر شے فانی اور عارضی ہے۔ ہر کسی کی دنیاوی زندگی کے دن ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں گے۔ زندگی کے دن جیسے بھی ہوں گزر جاتے ہیں۔ کسی دن کی کوئی یاد باقی نہیں رہتی نہ کوئی خوشی یاد رہتی ہے، نہ کوئی غمی میری زندگی میں آج کا یہ دن پھر کبھی لوٹ کر نہیں آنا۔

ایک ایک کر کے زندگی کے سارے دن ختم ہو جائیں گے اور پھر ایک آخری دن آ جائے گا جس دن اس دنیا سے کوچ کر کے دوسری دنیا جانا ہو گا۔

ہر بندہ دنیا کے بازار میں ایک تاجر کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے لیکن عقلمند تاجر وہی ہے جو اپنی آخرت کی فکر کرتا ہے۔ یہ دنیا رونے کا مقام نہیں اور نہ ہی ہنسنے کا، بلکہ فکر اور عبرت کا ہے۔

زندگی ایک کھیل ہے اور اس دنیا کے کھیل میں اگر کسی کو کوئی لطف ہے تو سادگی میں ہے۔ جس نے سادگی کو اپنا نصب العین بنایا سدا شاد رہا۔

بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا

ضیا رومانی (انڈیا)

عالمی تہذیب میں قائم نسل کشی کے رجحان کا مکمل خاتمہ مندرجہ ذیل اقدام سے ممکن ہے۔ اس مختصر مضمون کو عالمی میڈیا پر نشر کیا جائے۔

اگر علم اقتصادیات میں اقتصادی ترقی کے مفکروں کی فہرست کھنگالی جائے تو اس میں مادیت پرستوں میں چند یہودی عالموں کے نام ملیں گے۔ جو یورپ کے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہوں نے ملک کی ترقی اور معاشی خوشحالی کے لیے کالونائزیشن، بین الاقوامی کاروبار کر کے ملک کی ترقی کی صلاح دی "سیاست اور کاروبار میں ہر طریقہ جائز" قرار دیا۔ جس میں ایک مادیت پرست عالم معاش جیمس بوڈن کا نام سرفہرست آتا ہے۔ انہیں چند مادیت پرست عالموں نے یورپی ممالک جہاں قدرتی وسائل کی قلت تھی ان کو کالونائزیش کے اصول بتائے تھے۔ جو سائنس وٹیکنالوجی کا فروغ پائیں اور جہاز رانی اور بین الاقومی کاروبار میں حصہ لیں۔

غریب، تعلیمی اعتبار سے کم زور اور قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک پر قبضہ جمائیں اور وہاں سے لوٹ مار کر کے اپنے ملک کی ترقی کریں۔ ان عالموں میں اول نمبر یہودیوں کا ہے۔

جو کوئی ان سے مزاحمت کرے اس قوم کی نسل کشی کریں۔ تبھی اڈالف ہٹلر نے یہودیوں کی ظالمانہ فکر و عمل کے موجد قرار دے کر ان کی نسل کشی کر کے ظلم کے خاتمہ کی کوشش کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جب عالم میں کسی بھی سازش کے موجد کی کھوج کی تو اسے پسِ پردہ کسی یہودی کا ہاتھ نظر آیا اسی سبب یہودی نسل کو اس نے دنیا سے مٹا دینا چاہا اور نوے فیصد یہودیوں کا خاتمہ کر دیا، دس فیصد یہودیوں کو اس مقصد سے اس نے زندہ چھوڑا کہ وہ کل عالم کو ثابت کر دکھائیں گے کہ اس نے اس قوم کی نسل کشی کا فیصلہ کس لیے لیا تھا۔

اختصار کے پیش نظر میں آج اسرائیل کی جانب سے کی جا رہی نسل کشی کے خاتمہ کے لیے اور اس خبیث روایت کو دنیا سے خارج کرنے کے مقصد سے چند اہم اقدام کی صلاح دیتا ہوں۔

ان کو عالمی میڈیا پر نشر کریں تو اس ظلم کے مرتکب سیاست دانوں میں خوف پیدا ہو گا اور اس خیال سے بعض آئیں گے۔ چونکہ موجودہ دور میں اسرائیل فلسطین جنگ اس نسل کشی کا ایک انجام ہے۔ اسی مناسبت سے مندرجہ ذیل اقدام ملاحضہ ہوں۔ آج ساری امن پسند دنیا اسرائیل کی بربریت اور اس ظالم قوم کی جانب سے ایک انسانیت پرور میزبان قوم کی نسل کشی کی شاہد ہے۔ اس بربریت میں ملوث سبھی ملزمین کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ فلسطین کی نسل کشی اور عالمی ماحول سے امن و سکون کے غارت گر اسرائیل کے خلاف احتجاج کر رہا ہے۔

1) عالمی ادارے ICC (انٹرنیشنل کریمینل کورٹ) کو چاہیے کہ فوراً اسرائیل کی موجودہ کیبنٹ کو معطل کرے کہ اس کے PM HM، DM، اور FM کو بلا شنوائی کے سزائے موت مقرر کر دے۔

سارے سفیروں اور باقی کیبنٹ ممبران کو سزائے قید مقرر کر دے۔ جن ممالک نے ان کا ساتھ دیا ان کے صدور اور وزیر اعظم کو بھی سزائے عمر قید تجویز کرے۔ سزائے موت میں پھینک کی سزائیں فلسطین عوام کے سامنے دی جائیں، نہ کہ پھانسی اور گولی سے سزا ہو۔ ایسی سزا سے عبرت بھی ملے گی اور فلسطین مقتولوں کی روحوں کو تسکین بھی ہو گی۔ جب کہ ملزمین نے لگ بھگ 15 ہزار معصوم بچوں، عورتوں اور بزرگوں کا خون کیا ہے۔

2) اسرائیل نے گزشتہ 75 سالوں سے فلسطین کی سرزمین پر ناجائز قبضہ جمع کر صنعت حرفت فروغ دیا۔ بین الاقوامی کاروبار کر کے ناجائز طریقے سے دولت جمع کی لہٰذا اسرائیل کے سبھی امیروں کی دولت پر فلسطین کا حق ہے۔ اسے سیز کر کے فلسطین کے PM Welfare Fund میں جمع کر دی جائے۔ اور ساری فلسطین عوام میں برابر تقسیم کر دی جائے۔

3) چونکہ یہودیوں میں ایک فرقہ حقیقت پسند اور انسانیت نواز بھی ہے۔ جو کہ اسرائیل کے مظالم پر پہلے سے عالمی امن پسند لوگوں کے ساتھ احتجاج میں شامل ہے۔

اسے چھوڑ کر سارے مطلب پرست مغرور یہودیوں کو واپس انہیں ممالک چلے جانے کی مہلت دی جائے جو 1946ء میں فلسطین پہنچ کر ان کے ملک میں مہاجرین بن کر پناہ کی بھیک مانگ کر ان کی اجازت اور انسانیت نوازی سے مستفید ہوئے اور آج الٹا چور کتوال کو ڈانٹے کا کام کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثریت اپنے سائنسی علم اور ہنر مندی پر فخر ہے، انہیں اپنی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کا ایک موقع یہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو کسی نئے سیارے پر آباد ہو جائے یا براعظم انٹارکٹیکا کے ماحول پر قبضہ جمع کر وہاں آباد ہو کر دکھائے۔ جب کہ یہ شر پسند ہمارے امن پسند فلسطین اور عالم میں کہیں رہنے کے لائق نہیں ہیں۔ ایسی ذہنی جاہل، سنکی قوم کسی امن پسند انسانیت نواز قوم کی پڑوس میں رہنے کے قابل نہیں پچھلے 75 سالوں کے مشاہدے اور تجربے سے دنیا کو یہ ثابت ہو چکا ہے۔

4) جن ممالک نے فلسطین کی تباہی میں اسرائیل کا ساتھ دیا انہیں تیل اور ہتھیار فراہم کیے انہیں سزا کے طور پر Penalty ڈالی جائے اور اس رقم سے دوران جنگ فلسطین کی عمارتوں، سڑکوں اور شہروں کی تعمیرِ نو کی جائے۔

5) یو این او کے قوانین میں جو عالمی برادری کے لئے انصاف اور برابری کے حقوق نہ دیتے ہوں اور کمزور ممبر ممالک پر پابندیاں لگا کر ان کی مجبوری سے امیر ممالک کا فائدہ کرتے ہوں ایسے قوانین میں ترمیم کی جائے۔ مثلاً Vito Power اور NATO کو دستور سے خارج کر کہ ممبر ممالک کو برابری کے حقوق عنایت کر کے UNO کو انصاف کا نمائندہ ادارہ بنا دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایک نئے عالمی ادارے کو قائم کریں جس میں سبھی ممبران کو برابر کے حقوق اور فرائض میسر آسکیں۔ یہاں امیر غریب کا فرق نہ ہو اور غریب ممالک کو بھی برابر اختیارات میسر ہوں۔ تبھی یہ ادارہ عالمی امن کو فروغ دے سکے گا اور انصاف قائم رکھ سکے گا۔ گزشتہ تجربات ومشاہدات سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔

6) فلسطین کو ایک آزاد، ساورن، جمہوری ملک کا درجہ دے دیا جائے۔ جس کی اپنی محفوظ اور آزاد فوج بھی ہو اور حکومت بھی۔ جس کی نوآبادکاری میں سارے ممالک اس کے ساتھ ہوں۔ اگر کوئی اس پر حملہ بولے تو UNO کی فوج اس کی مدد کو پہنچے۔

7)اسرائیل کے سبھی MNC کو سبھی میز بان ممالک اپنے ملک سے خارج کردیں اوران کی پیداوار کی آمدورفت پر سبھی UNO کے ممبر ممالک اپنے ملک میں Ban کردیں کہ کوئی کاروباری ان کی درآمد نہیں وصول کر سکتا۔ عوام کو بھی ان کا Byecot کرنے کی تلقین کریں۔

8) سبھی UNO ممبر ممالک پر یہ قانون نافذ کردیں کہ کوئی ملک اپنی فوج کو کسی دوسرے ملک میں کسی مال کی طرح اسٹاک بنا کر کھڑا نہیں کر سکتا۔ اپنی اپنی فوج کو اپنے ملک کی چار دیواری میں رکھے۔ کسی صورت میں بغیر UNO کی منظوری کے باہر نہ لے جائے اور نہ ہی باہر تعینات کرے۔ اگر ان نکات پر عمل درآمد ہو تو اس دنیا سے جنگ، کمزوروں پر ظلم اور نسل کشی کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔ جبکہ عالم میں سبھی اپنے آپ کو ترقی پسند خیالات کا حامل سمجھتے اور اپنی سائنسی ترقی پر ناز کرتے ہیں۔ تو پھر آج بھی کیوں جنگ اور نسل کشی جیسی قدیم دور جہالت کی بد تہذیبی اور ظالمانہ طریقے رائج ہوں۔ انسانیت کے لیے یہ بڑے شرم کا مقام ہے۔ یہ بالکل غلط طریقہ ہے جو جہالت اور شیطانیت کی نشانی ہے جسے انسانیت پرور اکثریت اس ترقی یافتہ دور میں قبول نہیں کرتی۔

آج ایسے قدامت پسند ذہنی کمزور لوگوں کو جب عالمی انسانیت پرور اکثریت UNO کے جلسوں میں ظاہری طور پر نفیس سوٹ بوٹ، ٹائی میں ملبوس اپنے آپ کو بڑی تہذیب یافتہ شخصیت کے روپ میں پیش کرتے دیکھتی ہے تو انہیں دیکھ کر اسے نہ ہی فخر محسوس ہوتا ہے اور نہ خوشی بلکہ ان حقیقی جاہلوں کو اس مقام پر دیکھ کر بڑی کراہت ہوتی ہے۔

سفرِ آخرت

سونیا ارم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ بے شک انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے خوبصورت تخلیق ہے۔ جسے اللہ نے مکمل پیدا کیا ہے، یعنی انسان کو چلنے پھرنے، بولنے، سمجھنے، دیکھنے، سننے گویا ہر نعمت سے نوازا ہے۔ اسے عقل و شعور کی دولت عطا کی ہے۔ لیکن اس عظیم مخلوق کو بھی موت ایک دن آ کر رہے گی۔ اس نے بھی اس جہانِ فانی سے کوچ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں "بے شک ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔

انسان دنیا میں جب آتا ہے تو وہ بالکل خالی ہاتھ بے سر و ساماں آتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے جسم پہ کپڑے تک نہیں ہوتے۔ دنیا میں آتے ساتھ ہی وہ سب سے پہلے جو کام کرتا ہے وہ روتا ہے اور وہی انسان جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اپنے پیچھے اپنے پیاروں کو روتا چھوڑ جاتا ہے۔ دنیا میں آنے اور جانے کے درمیان کا سفر جو ہے یہی اس کی آخرت کی زندگی کی کامیابی کا ذریعہ بننے کا سبب ہے۔

اگر اس نے یہ سفر اللہ کے احکامات کے مطابق گزارا ہو گا تو جنت کا ٹکٹ کٹ جائے گا اور اگر شیطان کی پیروی کر کے خود کو گناہوں سے زنگ آلود کیا ہو گا تو جہنم کی وادی میں دھکیل دیا جائے گا۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی نماز یعنی نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔ اگر انسان سوچے تو اس کی زندگی کا کھیل اذان سے نماز تک ہے۔ مگر بد قسمت انسان ان دو چیزوں کو چھوڑ کر باقی سارے کام کر لیتا ہے۔ دنیا میں رہنے کے لیے بڑی بڑی کوٹھیاں، عالی شان بنگلے تعمیر کر لیے جاتے ہیں۔ جب اسے پل کی خبر نہیں ہوتی کہ جو گھر وہ تعمیر کر رہا ہے وہاں رہنا بھی نصیب ہو گا یا نہیں۔ جس گھر میں ہم نے اکیلے ہی رہنا ہے وہاں کی تیاری کوئی بھی نہیں کرتا۔ وہ گھر جو انسان کی آخری آرام گاہ ہے اگر وہ ہی کیڑے مکوڑوں سے بھری ہوئی ہو گئی تو کیا کرو گے؟ کبھی کسی نے سوچا ہے۔

ہم دن کو تو پھر مگر رات کی تاریکی میں قبرستان جاتے کتنے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ وہاں بھی تو انسان بستے ہیں نا۔ جو کبھی کل ہماری طرح دکھتے تھے جن کی ہماری طرح ہزاروں خواہشیں تھیں۔ مگر کیا ہوا ان کے ساتھ موت ایک ہوا کے جھونکے کی طرح انہیں اڑا کر لے گئی۔ انسان اپنی ظاہری شکل وصورت کو لے کر بہت حساس ہے وہ اللہ کی بنائی صورت کو مزید خوبصورت کرنے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ہمارا یہ ظاہری حسن دنیا کو دکھانے کے لیے ہے۔ اصل حسن تو روح کی خوبصورتی ہے، ہمارے اندر کی باطنی خوبصورتی ہے۔ یہ شکل و صورت، یہ خوبصورت جسم تو قبر میں کیڑے مکوڑوں کی خوراک کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان کا جب سفرِ آخرت شروع ہوتا ہے تو اسے موت آتی ہے۔ موت یعنی ہمیشہ کی گہری نیند انسان سو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد انسان کے جسم سے ایک کیڑا نکلتا ہے اور عجیب قسم کی بو پھیل جاتی ہے یہ گویا دوسرے حشرات کو بلانے کے لیے ہوتی ہے۔ بو کے پھیلنے سے ہی قبر میں کیڑے مکوڑوں کی قطاریں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں جو انسان کے جسم کا سارا گوشت کھا جاتے ہیں۔ انسان صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔

اس انسان کو دیکھ کر کوئی بھی شناخت نہیں کر سکتا کہ یہ وہ انسان ہے جو دنیا میں کبھی اکڑ کر چلتا تھا۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے دو فرشتے "منکر نکیر" کو قبر میں مردے سے حساب لینے بھیجتا ہے۔ جس انسان نے فرشتوں کے سوالات کے صحیح جواب دیئے وہ دنیا کے امتحان کی طرح پاس ہو جاتا ہے۔ اسے اللہ اپنے انعامات و اکرام سے نوازتا ہے۔ جو انسان فرشتوں کے سوالوں کے غلط جواب دے گا انہیں سزا ملے گی۔ قبر میں کوئی رشوت، کوئی سفارش، کوئی رشتہ کام نہیں آئے گا، اس اندھیری قبر میں اگر کوئی چیز روشنی کر سکے گی تو وہ صرف انسان کے خود کے اعمال ہیں جو اس نے کئے ہوں گے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جس چیز کا بیج بوتے ہیں کھیت کو پانی کھاد دیتے ہیں تو آخر میں جب فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو ہم اسی بیج کی فصل کاٹتے ہیں جو ہم نے بویا ہوتا ہے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم نے گندم کا بیج بویا ہو تو باجرہ کی فصل تیار ہو جائے یا باجرہ کا بیج بویا ہو اور مکئی کی فصل تیار ہو جائے۔ ٹھیک اسی طرح انسان جیسا دنیا میں عمل کرتا رہا ہو گا قبر میں اس کو اس کے اعمال کے حساب سے جزا یا سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کسی انسان کے ساتھ ناانصافی نہیں کرئے گا۔ ہم میں سے ہر انسان کو چاہیے کہ یہ جو دنیا کی عارضی زندگی ہے اس کی رنگینیوں میں کھو کر اپنی آخرت کو برباد مت کریں بلکہ اپنی آخرت کی تیاری کریں، تاکہ جب ہمارا آخری وقت آئے تو ہماری روح نکلنے میں آسانی ہو۔اور جب ہمارے پیارے ہمیں منوں مٹی تلے دفن کر کے واپس اپنی زندگیوں میں لوٹ آئیں تو ہمیں اس اندھیری قبر میں وحشت نہ ہو بلکہ ہمارے اعمال کی روشنی سے ہماری قبر ہمارے لئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائے۔ ہماری قبر سے ہماری ہماری ہولناک چیخوں کی بجائے اللہ کے ذکر کی صدائیں سنائی دیں۔اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عمل صالحہ کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت کو سنوارنے کی کوشش میں ہماری مدد فرمائے۔ ہمارے ہر دن کا آغاز اور اختتام اللہ کے احکامات کے مطابق ہو۔ ہماری زندگی جس کی شروعات اذان سے ہوئی تھی اس کا اختتام بھی سجدے کی حالت میں ہو۔
آمین یارب العالمین!

ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو

فائزہ شہزاد

16 دسمبر 1971ء کو سقوطِ ڈھاکہ ہوا اور بنگلہ دیش، مشرقی پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر ابھرا جسے ہماری تاریخ میں "یوم سیاہ" کہا جاتا ہے۔ ہم اس وقت تین یا چار سالہ بچے تھے جنہیں کچھ عقل و شعور اس بارے میں نہیں تھا کہ کیا سانحہ رونما ہوا ہے؟ والدین و رشتہ دار کیوں پریشان ہیں؟ ہر شخص کیوں رنجیدہ ہے؟ ان کا دکھ، درد ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ پھر یہ قصہ پارینہ بن گیا مطالعہ پاکستان اور تاریخ کی کتابوں کا اک چھوٹا سا صفحہ بن گیا۔ زندگی پل پل اپنے رنگ بدلتی ہے، کبھی خوشی کبھی غم، کبھی دھوپ تو کبھی چھاؤں، کبھی بہار تو کبھی خزاں، وہ سب کو بھاگتے، دوڑتے دیکھتی۔ دور کھڑی مسکرا رہی تھی کہ اے ابن آدم! ٹھہر جا، ابھی تو تُو نے وہ دیکھنا ہے کہ جسے دیکھنے کے بعد انسان سوچتا ہے کہ کاش نا ہی دیکھا ہوتا۔ 16 دسمبر 2014ء کا مشرق سے ابھرتا ہوا سورج بظاہر روشنی کی کرنیں بکھیر رہا تھا مگر درحقیقت وہ خون آلود سرخی لیے طلوع ہوا۔

ہر ذی نفس اپنے روز مرہ معمولات کی انجام دہی کے لیے تیار تھا۔ ماؤں نے حسبِ معمول اپنے جگر گوشوں کو پیار محبت سے تیار کیا، کچھ نے ضد کی کہ ماں آج ٹھنڈ بہت ہے دل نہیں کرتا۔ ماں نے شفقت سے پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا بس اب چند روز میں چھٹیاں ہو جائیں گی پھر آرام کرنا۔ اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کروایا اور دعاؤں کے حصار میں بچے سکول کی طرف روانہ کیے۔ کوئی باپ کی انگلی تھامے، کوئی اپنی وین میں ہنستے، مسکراتے ہر دکھ درد سے بے خبر اپنی درسگاہ کی جانب گامزن تھے۔ اس بات سے انجان کہ وہ سکول نہیں مقتل گاہ جا رہے ہیں۔ جہاں اک بے رحم موت ان کے انتظار میں پنجے گاڑے کھڑی ہے۔ اس دن وہ سب ہو گیا جسے لکھتے ہوئے ہاتھ لرز جاتے ہیں، قلم ہاتھ سے پھسل جاتا ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ان خوبصورت شہید شہزادوں کے چہرے آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین، روشن ستاروں کی مانند چمکتی ہوئی پیشانیوں والے۔

اس دن (پشاور کی تاریخ کا سیاہ ترین دن) آرمی پبلک سکول میں آٹھویں، نویں اور دسویں جماعت کے طالبعلم آڈیٹوریم میں جمع تھے، جہاں بچوں کو طبّی امداد کی تربیت دی جارہی تھی۔ صبح دس بجے کے قریب سات دہشت گرد سکول کے عقبی راستے سے داخل ہوئے اور سکول میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ معصوم طلباء کو خون میں نہلا دیا۔ اس دردناک سانحہ میں سکول کی پرنسپل، اساتذہ، طلبہ اور دیگر عملے سمیت تقریباً دو سو کے قریب افراد شہید ہو گئے۔ اس وقت تمام قوم اک دکھ کے گہرے سمندر میں غرق تھی۔ کسی کے پاس کوئی لفظ نہ تھا کہ کچھ بولتا، کچھ پوچھتا۔ بس آنسو تھے، آہیں تھیں اور سسکیاں ہر طرف۔ والدین دیوانوں کی طرح بھاگے پھر رہے تھے بچوں کی تلاش میں ماؤں کو کچھ ہوش نہ تھا۔ بس اک قیامت کا منظر تھا۔ ٹی وی آن کیے، یہ سب مناظر دیکھ کر دل دہل رہا تھا۔ میں بھی اک ماں ہوں اور ماں کا درد سمجھ سکتی ہوں۔ بچہ سکول سے پانچ منٹ لیٹ ہو جائے تو اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ کبھی اندر کبھی باہر، جب تک بچہ گھر نہ آجائے اسے چین نہیں آتا، نو برس گزر گئے مگر ان والدین کے زخم اسی طرح ہرے ہیں۔

وہ والدین جن کی باتوں سے کبھی خوشبو آتی تھی اب ان کے پاس آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دہشت گردی کی بدترین تاریخ رقم ہوئی جس کا نشانہ معصوم بچے تھے۔ انسان خود کو اشرف المخلوقات کہتا ہے، ستاروں پر کمند ڈال کر اقبال کا شاہین بننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں یہ انسان، انسانیت سے دور ہو چکا ہے۔ جن ماؤں کے جگر گوشے ماتھوں پر پیار بھرے بوسے لے کر گئے تھے کبھی نہ لوٹ کر آنے کے لیے کیونکہ وہ تو کسی اور ہی منزل کے راہی تھے، وہ جنت کے پھول تھے، جنت میں جا کر کھل گئے مگر ان ماؤں کے ہونٹوں پر آج بھی اپنے بچوں کے آخری بوسوں کا لمس اور حرارت انہیں چین نہیں لینے دیتی۔ وہ آنکھیں موندتی ہے تو وہ ہی لمس اسے بے چین کر دیتا ہے اور وہ اٹھ کر چاروں جانب اپنے شہزادے کی خوشبو کو محسوس کرتی ہے۔ وہ ہر روز کس کرب سے گزرتی ہے۔ صرف ماں ہی نہیں باپ بھی ان کے دلوں کا حال صرف وہ جانتے ہیں یا ان کا رب۔ جو بچے اس سانحہ میں غازی بنے وہ اب تک اس درد اس کرب کو بھلا نہیں پائے۔ ہر روز ان کو وہ اپنے سب دوست، کلاس فیلوز، اساتذہ اپنے ارد گرد محسوس ہوتے ہیں۔

ان کو لگتا ہے کہ ابھی کہیں سے اسامہ، بلال، ارباب یا فہد کسی کونے سے کھلکھلاتا ہوا آئے گا، اسے ستائے گا، وہ اک دوجے کے پیچھے بھاگیں گے۔ کوئی گرے گا کوئی اٹھائے گا، ابھی اپنے آفس سے مسز طاہرہ (پرنسپل) باہر آئیں گی اور اپنے پیارے سے محبت بھرے لہجے میں حال احوال پوچھ کر کچھ ہدایات دیں گی۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں کیونکہ وہ سب تو ہواؤں میں خوشبو کی مانند بکھر چکے ہیں۔ جن کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، دیکھا نہیں جا سکتا۔ ہر سال 16 دسمبر کو مختلف تقریبات میں یہ والدین اور دیگر افراد شریک ہوتے ہیں، ایک دو دن پروگرام ہوتے ہیں، میڈیا کی رونق بنتے ہیں اور پھر اگلے سال تک سب کچھ فراموش کر دیا جاتا ہے۔ ان شہداء کے ورثاء آج بھی سراپا سوال ہیں کہ انہیں انصاف کب ملے گا؟ چہروں پر مسکراہٹ سجائے، آنکھوں میں آنسوؤں کے سمندر کو چھپائے وہ اپنے بچوں کی تصاویر کے ساتھ ہر ہر جگہ پھرے مگر اب وہ تھک رہے ہیں۔ ان کے لاغر وجود مزید لاغر ہو گئے ہیں، کندھے مزید جھک گئے ہیں۔ اللہ پاک ہی ان والدین کو صبر، ہمت، طاقت دے کہ جو قیامت ان پر ٹوٹی ہے وہ کم تو نہیں۔

کے پی حکومت نے صوبے کے تقریباً 127 سرکاری سکولوں کے ناموں کو ان شہید بچوں کا نام دیا ہے۔ پشاور کی معروف شاہراہوں اور چوکوں کو ان شہید بچوں کا نام دیا گیا ہے اور ساتھ میں آویزاں ان شہزادوں کی خوبصورت تصاویر دیکھ کر دل لرز جاتا ہے اور بے اختیار آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں اور کانوں میں اک صدا ابھرتی ہے۔

ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو
کہ ہم کو تتلیوں کے
جگنوؤں کے دیس جانا ہے
ہمیں رنگوں کے جگنو
روشنی کی تتلیاں آواز دیتی ہیں
نئے دن کی مسافت
رنگ میں ڈوبی ہوا کے ساتھ
کھڑکی سے بلاتی ہے
ہمیں ماتھے پہ بوسا دو

(حصہ شاعری)

لوٹ آؤ دسمبر میں

اریبہ مظہر

لوٹ آؤ دسمبر میں اب کہ
میرے قلم نے لکھنا چھوڑ دیا
میرے دل کی آرزوئیں
اب یوں ہوئی تمام
جیسے کہ ان میں بنا
کبھی ہی نہ ہو کوئی مکان
سناٹا سا رہتا ہے اب اس
حویلی کے وسیع دالان میں
اور اب کہ وہ شخص
مکمل تنہا ہو گیا اس کے جانے کے بعد
سنو دیکھو یوں مت کرو میرے ساتھ
میرے قلم کے رنگ دوبارہ
لوٹا دوں پھر سے مجھ کو
میں دوبارہ سے قرطاس
پر رنگوں کو بکھیرنا چاہتی ہوں

کہ پلٹ آنے پہ تمہارے
کیا ہے تمہارے واسطے
اک خاص اہتمام ہم نے کہ
یعنی قلم نے دوبارہ سے
پروئے ہیں موتی پھر سے
تمہیں بیان کرنے کو میں
پھر سے الفاظ ذخیرہ کروں
یعنی کہ اب الفاظ میں تمہارے
آنے کی خوشی ہو گی بیاں
اور بس تم جب لوٹ آؤ گے
میرے ہمدم دسمبر میں
میرے قلم کے رنگ
دوبارہ سے پر ہو جائیں گے
میرے الفاظ تا ابد اس دنیا
میں امر ہو جائیں گے

غزل

رفیق چوگلے (ممبرا، انڈیا)

اٹھ رہے ہیں ظالموں کے تیغ و خنجر ہر طرف
ہو چکے حالاتِ دنیا بد سے بدتر ہر طرف

کیا بتائیں رازِ دل جب سامنے وہ آ گئے
رہ گئے الفاظ سارے کنجِ لب پر ہر طرف

کون کس کی اب سنے آہ و فغاں اس دہر میں
"ہے بپا دنیا میں اب تو شورِ محشر ہر طرف"

کیا سناؤں دلکشی میں وادیِ کشمیر کی
مجھ کو آتا ہے نظر جنت کا منظر ہر طرف

مجھ سے ملنے کا اگر وعدہ کرو تو دیکھنا
رہ گزر پر میں سجاؤں ماہ و اختر ہر طرف

کل تلک جو اوڑھ کر چلتی تھیں عصمت کی قبا
آج آتی ہیں نظر بے پردہ اکثر ہر طرف

سر فروشی کی تمنا اب نہ کرنا اے رفیقؔ
گھات میں ہے دشمنوں کا سارا لشکر ہر طرف

غزل

سائرہ حمید تشنہ (لاہور)

ہے اپنی ہی دنیا میں ہر کوئی گم یاں
کس کی سنے کوئی، کس کو سنائے

بہت ایسے ہیں من کے کالے جنہیں
خوشی دوسروں کی نہ ایک آنکھ بھائے

وسعت سے تیری ہے عاجز جہاں
یہ میرا ہی دل ہے جہاں تُو سمائے

اپنا لیں وطن کے جو قانون کو ہم
نہیں شک فضائے وطن جگمگائے

تیاری کرو کل کی آج ہی سے
میں نہ کہوں میرا رب فرمائے

غزل

حمزہ ارشد

مذاکرات ندی سے بھنور نہیں کرتے
کنارے بیٹھے مسافر سفر نہیں کرتے

سفر تمام تو ہوتا ہے بعد مرنے کے
مریں تو خوف و الم فکرِ زر نہیں کرتے

صحیح غلط کی تو پہچاں خدا کراتا ہے
یہ کام آج کے تو کوزہ گر نہیں کرتے

خدا بنے ہوئے پھرتے ہیں یاں زمیں زادے
نگاہ خود پہ یہ کم ظرف، پر نہیں کرتے

تمہیں کہا ہے کہ لکھنے میں احتیاط کرو
یہ کام تم بھی مری جاں مگر نہیں کرتے

مجھے ہے حکمِ اذاں پر تمہیں ہے فکرِ بتاں
یہ میرے شعر بھی تم پر اثر نہیں کرتے

کہاں کے جبہ و دستار، میری جاں حمزہؔ
کوئی بھی کام ہو کیوں سوچ کر نہیں کرتے

فلسطین

حمزہ ارشد

قائم رہے تمہاری ہمت مرے فلسطیں
اجداد کی تُو میرے عزت مرے فلسطیں

ایمان سے تو بڑھ کر کوئی نہیں ہے دولت
اسلام کی ہے تُو ہی ثروت مرے فلسطیں

ہے مان مجھ کو تجھ پر، تُو کتنا ہے بہادر
تیرا یہ دکھ ہے تیری قوت مرے فلسطیں

آرام گاہِ یوسفؑ، یعقوبؑ کی بنی تھی
مٹی تری کی قسمت، قسمت مرے فلسطیں

تلوے لگے ہیں تیری دھرتی پہ انبیاء کے
واجب ہے مجھ پہ تیری چاہت مرے فلسطیں

غارت کرے خدا سب ان دشمنوں کو تیرے
جو توڑتے ہیں تجھ پر آفت مرے فلسطیں

منہ کیوں چھپا کے بیٹھے اہلِ حجاز سارے
خاموش کیوں ہے بیٹھی امت مرے فلسطیں

کر دیں جہاد کا اب اعلان دیر کیوں ہے
حاصل تبھی تو ہو گی برکت مرے فلسطیں

ایوبی جیسی جرأت پھر ڈھونڈھ لائے کوئی
دیکھی نہ جائے تیری حالت مرے فلسطیں

ناپاک عزم سارے ہوں خاک خاک سارے
تیری بڑی یقیناً حرمت مرے فلسطیں

معراج پر گئے تھے سردارِ انبیاءﷺ جب
کیا خوب تھی وہ ساعت، ساعت مرے فلسطیں

رب سے صلہ کا طالب حمزہؔ بھی حشر میں ہو
لکھ بول تیرے حق میں مدحت مرے فلسطیں

غزل

پاکیزہ عقیل

محبت میں عداوت کا فسانہ لکھ دیا میں نے
بشر کو ہی بشر سے اب بیگانہ لکھ دیا میں نے

مجھے پوچھا گیا تھا یہ کہ مطلب کس کو کہتے ہیں
قلم کاغذ اٹھا کر پھر زمانہ لکھ دیا میں نے

تفکر کر کے جب مجھ کو نہ آیا کچھ سمجھ تو پھر
سبب الفت بگڑنے کا بہانہ لکھ دیا میں

لگی تھی محفلِ غیبت تو پوچھا کرتے ہو کب کب
بڑے غم سے، بڑے دکھ سے روزانہ لکھ دیا میں نے

پکڑ کے تیر ہاتھوں میں وہ کہتے ہیں کہاں پھینکوں
کلیجہ، دل، جگر، جاں کو نشانہ لکھ دیا میں نے

مرے اس گلشنِ دل میں بھی کوئی گل نہ کھل پایا
اسے صحرا، بیاباں، بن، ویرانہ لکھ دیا میں نے

اگر اک لفظ میں عاشق کو لکھنا ہو تو کیا کیجے
بنا سوچے، بنا سمجھے دیوانہ لکھ دیا میں نے

شور ہے دسمبر کا

ڈاکٹر نایاب ہاشمی (انڈیا)

شور یہ دسمبر کا
ہر سو ہی پھیلا ہے
سرد برف موسم ہے
اداس یہ مہینہ ہے
غم و بے وفائی کے
دکھ ہے نارسائی کے
وعدے ٹوٹ جانے کے
خواب بکھر جانے کے
روز قصے پڑھتے ہیں
تعلق ٹوٹ جانے کے
لفظوں کی گونج یارو
ہر سو ہی پھیلی ہے

باقی سب مہینوں میں
زندگی کیا اجلی ہے؟
ہر ایک کی راہوں میں
کہکشاں کیا بکھری ہے؟
ہجر و بے وفائی کے
قصے بھی نارسائی کے
کس مہینے نہیں ہوتے؟
سانحے جدائی کے؟
قصور یارو دسمبر کا
تم مجھ کو بتلاؤ
کیوں بد نام کرتے ہو؟
مجھے کچھ تو بتلاؤ

بڑا پیارا یہ موسم ہے
برف سرد یہ موسم ہے
رزق کی فراوانی بھی
اسی موسم میں ہوتی ہے
صحت جو بھی بنتی ہے
اسی موسم میں بنتی ہے
میوہ جات نئے پکوان
اسی ماہ میں ملتے ہیں
چھوٹے دن و لمبی رات
دن روزہ و رات قیام
خوشی کا یہ مہینہ ہے
بچھڑے لوگ بھی ملتے ہیں

پھر تم کس کو مناؤ گے؟

ڈاکٹر نایاب ہاشمی (انڈیا)

(بے وفا دوست بیا اولکھ اور ارمغان نایاب کے لیے)

تم مصروف ہو یاراں؟
یا مفرور ہو یاراں؟
کیا ہم سے روٹھے ہو؟
یا مغرور ہو یاراں؟

تمھیں فرصت نہیں ملتی
ہم سے بات کرنے کی
تمھیں توفیق نہیں ہوتی
ہم سے آ کر ملنے کی

ہمارے روٹھ جانے پر
منانے تم نہیں آتے
ہمارے دور جانے پر
سمجھانے تم نہیں آتے

کوئی نہ ہو گا ساتھ جب
اکیلے تم رہ جاؤ گے
تب یاد ہماری آئے گی
آنسو پھر بہاؤ گے

ہم نہ ملیں گے تب تمہیں
ڈھونڈتے تم رہ جاؤ گے
ساتھ ہمارا پانے کو
ترستے تم رہ جاؤ گے

اب بھی وقت ہے جاناں!
واپس لوٹ آنے کا
غلطی مان کر اپنی
ہمیں آ کر منانے کا

جب وقت نکل جائے گا
پھر تم ہی پچھتاؤ گے
ملکِ عدم راہی ہو گئے تو
پھر تم کس کو مناؤ گے؟